نور الحبیب ۲۰۰۶

جلد 6

حکومتی فیصلے

ہمارا نظام تعلیم اور حکومتی فیصلے

(ایک دردمند ماہر تعلیم کے گراں قدر جذبات واحساسات)

عبدالرشید سالک

تعلیم کے معنی کسی کو راستہ پر چلانا یا کھینچ کر لانا کے ہوتے ہیں۔ یعنی تعلیم وہ روشنی ہے جو انسان کو جہالت اور غفلت کی تاریکیوں سے کھینچ کر بیداری کی طرف لے جاتی ہے۔ چونکہ علم کے بغیر انسان کی زندگی بے مقصد گزرتی ہے، اسی لیے زندہ اور بیدار مغز قومیں اپنی نسلوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہتی ہیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے بہترین نظام تعلیم ترتیب دیا جاتا ہے، جو قوم کے افراد کو ایک مشترکہ مقصد اور نصب العین کی طرف گامزن کر دیتا ہے۔ جو قومیں اپنی نسل کے لیے کوئی مربوط نظامِ تعلیم اور مشترکہ لائحہ عمل تیار نہیں کرتیں، وہ ہمیشہ فکری انتشار کا شکار رہتی ہیں۔

نظام تعلیم کسی خیالی اُتار چڑھاؤ کا نام نہیں، بلکہ خاص منصوبہ بندی کے تحت تیار کیا ہوا عملی ڈھانچہ ہوتا ہے، جس کے گرد نظریہ گھومتا ہے اور اسی نظریے کو استاذ نسل نو میں منتقل کر کے ایک منزل کی طرف رواں دواں کر دیتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

اگر ہم ترقی یافتہ قوموں کی برق رفتاری کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کی ترقی کا راز نظامِ تعلیم میں پنہاں ہے اور ہماری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کمزور، غیر نظریاتی نظامِ تعلیم ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے، وقت کا تقاضا یہ تھا کہ پورا نظام تعلیم اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق ترتیب دیا جاتا، لیکن افسوس ۵۸ سال گزرنے کے باوجود ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری قوم افراتفری کا شکار ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا پورا نظام تعلیم جو فکری، گروہی اور طبقاتی مسائل میں گھرا ہوا ہے، اُسے عصر حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور احیائے اسلام کی جدوجہد میں اپنا حقیقی کردار ادا کرنے کے لیے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن قوم کو ایسی بنیادی تبدیلی کی ہرگز ضرورت نہیں جو موجودہ حکومت کرنا چاہتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نصاب تعلیم، نظام تعلیم اور نظام امتحان میں کی گئی یہ تبدیلی، لفظی یا معنوی نہیں بلکہ نظریاتی تبدیلی ہے، جس کے مستقبل میں نسل نو پر دور رس نتائج مرتب ہوں گے۔

'ہر کہ آمد عمارت نو ساخت' کے مصداق دوسرے اعلانات کے ساتھ ساتھ نئی تعلیمی پالیسی کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو ۲۰۰۶ء کے آخر تک تیار ہو کر آ جائے گی۔ گو اس پالیسی کے ظاہر ہونے سے قبل کسی قسم کا انکشاف کرنا ناممکن ہے، لیکن موجودہ مختلف زاویوں سے کیے گئے چھ اعلانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تعلیمی پالیسی اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق نہیں ہو گی، بلکہ نسل نو کو جدید فکر کا حامل بنا کر قوم کو ترکی کی طرح سیکولر ذہن کا حامل بنا دے گی۔

یہ خدشہ اس لیے ظاہر کیا جا رہا ہے کیوں کہ حکومت نے سابقہ دس تعلیمی پالیسیوں کو پس پشت ڈال کر نئی تعلیمی پالیسی تیار کرنے کی تگ و دو شروع کر دی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ حکومت پہلے ۱۹۹۸ء یا اس سے قبل کی پالیسیوں کا ہی جائزہ لے کر یہ طے کر لیتی کہ اُن میں کیا خوبیاں یا کیا خامیاں تھیں، پھر اس جائزے کی روشنی میں نئی تعلیمی پالیسی ترتیب دی جاتی تو قوم مطمئن ہو جاتی۔

حال ہی میں حکومت نے جو فیصلے کیے ہیں اُن میں پہلا فیصلہ نصاب کی تدوین نو کے سلسلے میں ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نصاب میں ترمیم کا سلسلہ گزشتہ ۵ سالوں سے جاری ہے۔ سب سے پہلے نویں، دسویں جماعت کی اسلامیات کی کتاب سے سورہ توبہ نکالنے کی کوشش کی گئی، جب اساتذہ، طلبہ اور علماء کرام نے اس عمل کے خلاف آواز بلند کی تو حکومتی کارندوں نے آئیں بائیں شروع کر دیا، بعد میں اس کی معنوی حیثیت ختم کرنے کے لیے اس سورۃ کو ناظرہ کی حد تک محدود کر دیا گیا۔

یہ تبدیلی لانے کا مقصد یہ تھا کہ اساتذۂ کرام کلاس میں اس سورۃ کی تعبیر و تشریح اس کی روح کے مطابق نہ کر سکیں اور اس کے ذریعے نسل نو میں جو جذبہ جہاد بیدار ہوتا ہے، اس کے سوتے

خشک کر دیے جائیں۔

اب حکومت نے ایک اور قدم بڑھا کر بستوں کا بوجھ کم کرنے کے بہانے انٹرمیڈیٹ کی کلاسوں کے نصاب سے اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے مضامین ختم کرنے کا عندیہ ظاہر کر دیا ہے، جیسا کہ یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا کیا گیا تو ہماری نسلیں نہ صرف اپنے مذہب بلکہ اپنی تہذیب و تمدن اور تاریخ سے بھی بیگانہ ہو جائیں گی۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جو اپنی نسل کو نظریہ حیات کے مطابق تعلیم دینے کا اہتمام نہ کرے۔ نظریہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، وہ اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا جب تک اُسے نصاب تعلیم کا حصہ نہ بنا دیا جائے۔ استاذ کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے ذریعے نظریہ تعلیم کو نسل نو میں منتقل کر دے۔

روس ایک سوشلسٹ ملک ہے لیکن اُس نے اپنے نظریہ حیات کو نسل نو میں منتقل کرنے کے لیے کڑا نظام امتحان قائم کر رکھا ہے۔ وہاں کسی طالب علم کو سوشلزم کے پرچے میں ۸۰ فی صد نمبر حاصل کیے بغیر ترقی نہیں ملتی۔ خواہ کوئی طالب علم دوسرے پرچوں میں ۹۰ فی صد نمبر لے کر کیوں نہ کامیاب ہو جائے۔

دنیا میں کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل نے اپنی زبان اور اپنے نظریے کی جتنی حفاظت کی ہے اتنی کسی نے نہیں کی۔ اُس نے بھی اپنی نسلوں کو نظریے کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے سخت ترین نظام امتحان اور بہترین نظام تعلیم ترتیب دے رکھا ہے۔

امریکہ اور برطانیہ جن کا آج پوری دنیا میں طوطی بول رہا ہے، وہ غیر اسلامی ضرور ہیں لیکن غیر مذہب اور غیر نظریاتی نہیں، وہاں بھی کانونٹ کے نام سے مذہبی ادارے قائم ہیں، جہاں طلبہ کو مذہبی اور نظریاتی تعلیم دی جاتی ہے۔

آج دنیائے اسلام کے نصاب ہائے تعلیم میں ان دو ممالک کے ایما پر جو تبدیلی لائی جا رہی ہے، اُس کا بنیادی مقصد عریانی، فحاشی اور بے حیائی پھیلانا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں تبدیلی لانے سے قبل ایک ہزار بار سوچیں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری نوجوان نسل بھی تعلیم کی آڑ میں بوائے فرینڈز اور گرل فرینڈز کو گھروں میں لا کر بوڑھے والدین کو گھروں سے نکال دے۔

اسلامیات کی طرح مطالعہ پاکستان کی بھی نصاب تعلیم میں ایک مسلمہ حقیقت ہے، یہ دونوں مضامین قومی یک جہتی اور نظریے کے فروغ کی علامت ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے اسلامیات کی طرح ہمارے ملک کے نصاب سے عرصہ دراز سے دانستہ یا نادانستہ نسل نو کو تاریخ، جغرافیہ اور اب

مطالعہ پاکستان سے دور رکھنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

پہلے ابتدائی کلاسوں کے نصاب میں بچوں کو تاریخ کے ساتھ ساتھ اپنے ضلع کے جغرافیہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، بڑی کلاسوں میں تاریخ، جغرافیہ اور شہریت کی ایک کتاب ہوتی تھی، جسے بعد میں تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء کے بعد مطالعہ پاکستان کو نصاب کا حصہ بنایا گیا، لیکن تاریخ اور جغرافیہ کے مضامین ختم کر دیے گئے، اس طرح نسل نو اپنے مسلمان ہیروز اور اپنے وطن کے جغرافیے سے نابلد ہوگئی۔ اب آخری وار مطالعہ پاکستان پر بھی کر دیا گیا ہے۔

نوجوان نسل جو پہلے ہی خاندان بنوامیہ، خاندان عباسی، خاندان غلاماں، مغلیہ خاندان، محمود غزنوی، غوری، ٹیپو سلطان اور دیگر مسلمان ہیروز کے نام بھول چکی ہے، اب نواب سلیم اللہ خان، محمد علی جوہر، شوکت علی خان، چودھری رحمت علی، لیاقت علی خان، مولانا ظفر علی خان، نواب وقار الملک، عبدالرب نشتر، نواب محسن الملک، علامہ اقبال اور قائداعظم (اور دو قومی نظریے کو اجاگر کر کے تحریک پاکستان کی بنیاد رکھنے والے اکابر علماء مثلاً اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور پیر سید جماعت علی شاہ وغیرہ [ادارہ نور الحبیب]) کے نام اور کارناموں کی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے فراموش کر دے گی۔

پہلے نصاب تعلیم مرکزی حکومت کے شعبہ کروکلم کی روشنی میں صوبائی کروکلم ونگ تیار کرتا تھا، جس میں قومی سطح کے مشترکہ مواد کے علاوہ صوبائی ضرورتوں کو بھی پورا کیا جاتا تھا، لیکن اب ۱۹۷۶ء کے ایجوکیشن ایکٹ کے تحت قائم کیے گئے وفاقی وزارت تعلیم کے شعبہ نصاب اور درسی کتب سے ماورا ہو کر مرکز میں اپنی مرضی کے مطابق نیا نظام تشکیل دینے کا اظہار کیا جارہا ہے۔ صاف ظاہر ہے اس کے ذریعے روشن خیال اور جدید نصاب تیار ہوگا، جو نسل نو میں ذہنی تبدیلی لائے گا۔

سردست درسی کتب کی تدوین و اشاعت کے لیے پہلے سے قائم نیشنل بک فاؤنڈیشن کو یہ ذمہ داری سونپی جارہی ہے، اس کے بعد نیشنل کری کلم رائج ہو جائے گا۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن میں پہلے مرکزی حکومت کے تحت چلنے والے تعلیمی اداروں کے علاوہ پرانے اور نئے مصنفین کی ہر موضوع پر کتب شائع ہوتی تھیں، لیکن اب شاید قوم کا رُخ موڑنے کے لیے اس ادارے کو نئی ذمہ داری سونپی جارہی ہے۔

جہاں تک نئے بورڈز کے قیام کا مسئلہ ہے، یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بظاہر یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ چوں کہ ہمارے علاقائی بورڈز عالمی معیار کے مطابق امتحان لینے کے قابل نہیں، اس لیے ان سے یہ ذمہ داری لے کر مرکزی بورڈ کو دی جارہی ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ طے کیا جارہا ہے کہ صوبائی سطح پر ایک مانیٹرنگ بورڈ ہوگا جو پرچے تیار کرنے کے بعد ذیلی علاقائی بورڈز کے

ذریعے امتحان لے گا۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ صوبہ سندھ میں ایک غیر نظریاتی تجارتی بورڈ سے بہت سے مرکزی اور پرائیویٹ ادارے الحاق بھی کر چکے ہیں، نیز اس بورڈ کو پروان چڑھانے کے لیے امریکہ نے ۴۰ لاکھ ڈالر کی گرانٹ بھی مختص کر دی ہے۔ لیکن اس کی خوبیوں کے برعکس خامیوں پر کسی کی نظر نہیں پڑی، اسی لیے حکومت اس کی حوصلہ افزائی اور مقامی بورڈوں کو غیر معیاری قرار دے کر حوصلہ شکنی کر رہی ہے۔

معیار تعلیم بلند کرنا کوئی برائی نہیں لیکن قوم کو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ غیر نظریاتی بڑا بورڈ ایک امتحان لینے والا ادارہ نہیں ہوگا بلکہ ایک تجارتی ادارہ ہوگا، جس کی فیس ایک غریب طالب علم ادا نہیں کر سکے گا۔ اس طرح ملک کے غریب لوگ جو ہمارے تعلیمی نظام سے پہلے ہی متنفر ہیں مزید دور ہو جائیں گے۔ یعنی معیار تعلیم تو بلند ہو جائے گا لیکن غریبوں کے بچوں کے لیے تعلیم کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ شرح خواندگی کا گراف جو کاغذی طور پر پہلے ۳۶ فی صد ہے، مزید گر جائے گا۔ اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ علاقائی بورڈوں کو غیر معیاری اور فرسودہ قرار دے کر بعد میں بند کر دیا جائے۔

اس غیر نظریاتی بورڈ کے قیام کے بعد اس کا اپنا نصاب بھی نافذ العمل ہوگا، جسے شاید قوم ذہنی طور پر قبول نہ کرے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ قوم کو اعتماد میں لے کر مثبت اور تعمیری قدم اٹھایا جائے۔

مجوزہ بورڈ کے نصاب کے بارے میں ماہرین تعلیم، اہل فکر و دانش، اساتذہ اور طلبہ کی بہت سی تنظیموں اور اداروں نے تحقیق کی ہے، جس کی جھلکیاں اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ گو اس بورڈ کے سرپرستوں نے اُن خیالات اور مواد کی نفی کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اب تک شائع ہو چکا ہے وہ بالکل درست ہے اور اگر اس طریقہ کار کے مطابق نصاب تعلیم کو قوم پر تھوپ دیا گیا تو ہمارا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس بورڈ کو ہر سال نصاب میں ۱۰ فی صد تبدیلی کا اختیار دیا گیا ہے، یعنی دس سالوں میں نصاب میں سو فی صد تبدیلی ہو جائے گی۔ اساتذہ کی تربیت کا اختیار بھی اس ادارے کو دے دیا گیا ہے، جو قوم کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ اس غیر نظریاتی بورڈ کا نصاب بھی سیکولر یعنی لادینیت پر مبنی ہوگا، جس کا ہماری تہذیب و تمدن اور اخلاق و کردار سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوگا۔ یہ نہ صرف ہماری قومی امنگوں اور نظریہ حیات کا مخالف ہوگا بلکہ زندگی کے ہر میدان میں مذہب کی مکمل نفی بلکہ مخالفت کا داعی ہوگا۔

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو میں اب تک چند سالوں میں نصاب میں کی جانے والی

تبدیلیوں کی ایک جھلک:

تقابلی جائزہ

مارچ ۲۰۰۱ء تک نصاب میں شامل مواد معاشرتی علوم VI	مارچ ۲۰۰۴ء میں کی جانے والی تبدیلی
آزادی کی جنگ سے آزادی حاصل کرنے تک، صفحہ ۸۷	قائداعظم، علامہ اقبال کی تصاویر موجود لیکن تاریخ کا ورق غائب

معاشرتی علوم VII

ا۔ اسلام سے پہلے سماج کی حالت، صفحہ ۱۸-۱۵	مضمون غائب
۲۔ بنگلہ دیش بننے کا سبب اسلام دشمن ممالک کی سازش	سیاسی اور اقتصادی سبب بتایا گیا ہے۔
۳۔ افغانستان، صفحہ ۲۹	افغانستان، امریکہ اور القاعدہ کا ذکر ہے۔
۴۔ باب چہارم، قائداعظم کا ذکر	قائداعظم کا ذکر غائب

مضمون اسلامیات : VI - V - IV

ا۔ میثاق مدینہ، فلاحی ریاست	فلاحی ریاست کی خوبیاں خارج

کلاس پنجم

غزوہ حنین	غائب

اسی طرح سندھی اور انگلش زبان کی کتابوں سے بھی مواد خارج کر دیا گیا ہے یا تبدیل کر دیا گیا ہے۔

وفاقی حکومت کی تعلیمی پالیسی ابھی ابتدائی مراحل میں ہے لیکن صوبہ پنجاب نے فوری طور پر ایگزامینیشن بورڈ قائم کر کے اُس کے لیے کنٹرولر آف ایگزامینیشن آسٹریلیا سے درآمد کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے ملک میں اس منصب کے لیے کوئی اہل فرد دستیاب نہیں، ہم ۵۸ سالوں سے بلاوجہ تعلیمی میدان میں ٹامک ٹویاں مار رہے ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ نصاب تعلیم میں خطرناک حد تک تبدیلی بھی کر دی ہے، جس کی چند جھلکیاں درج ذیل ہیں:

اردو ساتویں کلاس

نکالے گئے اسباق	تبدیل شدہ اسباق
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	اردو زبان کی کہانی

ملی ترانہ	جادو کی مشعل
فتح مکہ	زیارت کی سیر
اکبر الٰہ آبادی	ابتدائی طبی امداد
بابا شکر گنج	شہر نے کہا، گاؤں نے کہا
قومی پرچم کے آداب	مکڑا اور مکھی
پاکستانی بچے	ہم نے سائیکل خریدی
علامہ اقبال	دیہاتی عورت
علم	جب، وہ نرس بنی

اردو VI (ششم)

اسلام کا پہلا تیر انداز	صبح سویرے
حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	کسٹم آفیسر
رحم دلی کا صلہ	گوادر ایک اہم تجارتی بندرگاہ
انوکھی جنگ	لندن سے ایک خط
شہید وطن	ڈزنی لینڈ کی سیر
مولانا ظفر علی خان	مفید عمل
کوہ صفا، حضور ﷺ کا قریش سے آخری خطاب	خارج، غائب
صلاح الدین	خارج، غائب

حکومت نے یہ بھی فیصلہ کرلیا ہے کہ کیمرج یونیورسٹی کے اولیول اور اے لیول کے امتحان فی الحال جاری رہیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا یہ حقیقت پر مبنی بات نہیں کہ نظاموں کی یہی تقسیم طبقاتی نظام کو بنیاد فراہم کرتی ہے اور یہ سلسلہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک جاری ہے۔ اس سے قبل جیسا ۱۹۷۳ء میں قومی تعلیمی ادارے تحویل میں لیے گئے تو ایسے ہی بڑے بڑے اداروں کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا، جہاں اب تک جرنیلوں، بیوروکریٹس اور سیاست دانوں کے بچے پڑھ کر غریب عوام پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس مساوات کے نام پر تحویل میں لیے گئے ادارے تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔

اگر حکومت اپنے اعلانات میں مخلص ہے اور اُس کا وضع کردہ نظام امتحان درست ہے تو اُسے

چاہیے کہ اولیول اور اے لیول کی تقسیم ختم کر کے سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے۔ ورنہ قوم یہ سمجھنے پر مجبور ہو گی کہ ہمارے ملک میں ایک بار پھر ارسطو اور روسو کی طرح کا تین درجاتی طبقاتی نظام نافذ کیا جا رہا ہے۔ یہ کہنا کہ ریاضی اور سائنس کی تعلیم کے لیے ابتدائی کلاسوں سے انگریزی ضروری ہے، ایک سراب ہے۔ وہ قوم جس کی ۷۵ فی صد آبادی ناخواندہ ہو، جس کے تعلیمی اداروں میں بیٹھنے کے لیے فرنیچر، بجلی اور پانی تو درکنار اساتذہ نہ ہوں، اُس کے بچوں کو ابتدا سے ہی انگریزی تعلیم دینے کا منصوبہ تعلیم سے متنفر کرنے کا منصوبہ ہے۔

میرے خیال کے مطابق اگر ایسا کیا گیا تو آئندہ چند سالوں میں وہ چند لوگ جو میٹرک کر لیتے ہیں، وہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ اچھی تعلیم کے لیے اچھے اساتذہ اور اچھا ماحول چاہیے، ہمارے دیہی علاقوں کا ماحول ایسا نہیں جہاں ابتدا سے ہی انگریزی زبان میں تعلیم دے کر ہم اعلیٰ پائے کے انجینئر، ڈاکٹر یا سائنس دان پیدا کر لیں گے۔ اس قسم کی امید طبقہ اشراف سے تو کی جا سکتی ہے، غرباء سے نہیں۔

جب سے ہمارے تعلیمی اداروں میں سیاسی بنیاد پر اساتذہ بھرتی ہوئے ہیں، ہمارا معیار تعلیم روز بروز گرتا جا رہا ہے۔ اساتذہ کی کمزوریوں کا یہ عالم ہے کہ وہ تحریر، تقریر اور تدریس میں کوئی ملکہ نہیں رکھتے، بلکہ درخواستوں میں اپنا مافی الضمیر تک بیان نہیں کر سکتے، تعلیم دینا خالہ جی کا گھر نہیں بلکہ یہ ایک فن ہے۔ میرے خیال اور تجربے کے مطابق ابتدائی کلاسوں کے بچوں کو پڑھانا بڑی کلاسوں کی نسبت زیادہ مشکل اور محنت طلب ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ پہلے انگریزی پڑھانے کے لیے اہل اساتذہ فراہم کرے، بصورت دیگر پورے کا پورا منصوبہ دھرا رہ جائے گا۔

دنیا کے بیشتر ممالک میں معیار تعلیم بلند کرنے اور بچوں میں تعلیم سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے سمسٹر سسٹم رائج کیا جا رہا ہے، لیکن ہمارے ملک میں تعلیمی عمل کو مشکل سے مشکل تر بنانے اور اس کے حصول کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ مثلاً پہلے نویں، دسویں اور گیارہویں، بارہویں جماعتوں کے امتحانات ہر سال الگ الگ لیے جاتے تھے، لیکن اب نویں، دسویں کا امتحان ۲۰۰۷ء میں اور گیارہویں، بارہویں کا امتحان ۲۰۰۹ء میں اکٹھا ہو گا۔ یعنی بچوں کو آئندہ ہر سال ۵ پرچوں کی بجائے دو سال بعد دس پرچوں کا امتحان دینا ہو گا، یہ طریقہ کار انتہائی مشکل ہے۔

ہمارے ملک میں معیار تعلیم پہلے ہی بہت گر چکا ہے، ۵۰ فی صد بچے ہر سال بورڈ کے امتحان میں ناکام ہو جاتے ہیں، اگر اس طریقہ کار کو اپنایا گیا تو فیل ہونے والوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جائے گا، اس لیے بہتر ہے کہ امتحانات میں مشکلات پیدا کرنے کی بجائے مزید آسانیاں پیدا

کی جائیں تا کہ زیادہ سے زیادہ بچے پاس ہو کر اعلیٰ تعلیم کی طرف راغب ہوں۔

ابتدا سے ہی انگریزی ذریعہ تعلیم، میٹرک کا امتحان ہر دو سال بعد اور تعلیمی شیڈول کی تبدیلی ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔

تعلیمی سال کا دورانیہ جو پہلے یکم اپریل سے ۳۱ مارچ تک ہوتا تھا، اب اُس میں تبدیلی کر کے چھٹیوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ صوبہ پنجاب، سرحد اور بلوچستان میں گرمیوں اور سردیوں کی وجہ سے تعلیمی ادارے متواتر تین ماہ بند رہتے تھے، جب کہ صوبہ سندھ میں تعطیلات موسم گرما کا دورانیہ جون، جولائی تک محیط تھا، لیکن اب اُسے بھی عملاً چھ ماہ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً حصہ پرائمری اور مڈل کا امتحان، بورڈز کے امتحانات اپریل میں منعقد ہونے کی وجہ سے اس ماہ میں لینا ناممکن ہوں گے، اس لیے اگر ان کلاسوں کا امتحان فروری میں لیا گیا اور داخلے ستمبر میں شروع کیے گئے تو بچوں کے چھ ماہ ضائع ہو جائیں گے۔ دسویں جماعت کے طلباء و طالبات کے لیے بھی تعلیمی دورانیہ اتنا ہی ہوگا۔ تعطیلات موسم گرما اور سرما کے علاوہ ہمارے ملک میں تاریخی، مذہبی تہواروں کے علاوہ اچانک رونما ہونے والے حالات کی وجہ سے مزید ایک ماہ کی چھٹیاں دے دی جاتی ہیں، ان چھٹیوں کی وجہ سے تعلیمی رجحان اور نقصانات کا آج تک ہماری حکومتوں کو کبھی احساس بھی نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف معیار تعلیم گر رہا ہے بلکہ شرح خواندگی میں بھی کمی ہو رہی ہے۔

سردیوں کی چھٹیاں ایک ضرورت کی بجائے رواج کی شکل اختیار کر گئی ہیں، ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ کس صوبے میں سردی زیادہ ہوتی ہے اور کہاں کم، مثلاً سرحد، بلوچستان اور پنجاب میں تو واقعی سردیوں کے موسم میں سردی سخت ہوتی ہے لیکن سندھ خصوصاً کراچی میں جہاں کا موسم معتدل اور مناسب ہوتا ہے، وہاں پندرہ سے بیس ایام تک چھٹیاں دینے کا کیا جواز ہے۔ یہاں اگر ۲۵ دسمبر سے ۳۱ دسمبر تک بھی تعلیمی ادارے بند کر دیے جائیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس سے زیادہ تعلیمی ادارے بند کرنا سخت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

ہماری رائے ہے کہ حکومت اگر واقعی پورے ملک میں ایک ہی امتحانی شیڈول نافذ کرنا چاہتی ہے تو بچوں کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے کے مواقع فراہم کرے اور چھٹیوں کی تعداد میں کمی کرے۔

خصوصاً جو چھٹیاں مذہبی تہواروں، اولیائے کرام، صوفیہ کرام یا قومی ہیروز کی وفات یا پیدائش کے موقعوں پر دی جاتی ہیں، اُن دنوں کو اگر تعلیمی اداروں میں ادبی اور علمی شکل میں بدل دیا جائے تو یہ ملک و قوم کے لیے بہتر ہوگا۔ میرے خیال کے مطابق یہ کام عقیدت نہیں، نسل نو کے لیے تفریح کا موقع فراہم کرتے ہیں، اس لیے اس دن چھٹی کی بجائے تحریری، تقریری اور معلوماتی مقابلے ہونے چاہئیں۔

حکومت وقت نے دوسرے فیصلوں کے ساتھ ساتھ دینی تعلیمی اداروں کے نصاب میں تبدیلی اور رجسٹریشن کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے، یہ بھی ایک بڑا اہم اور حساس مسئلہ ہے۔ اس لیے حکومت کو اس فیصلے پر عمل درآمد کرانے سے قبل بار بار سوچنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمی طاقتوں کی مرضی یہ ہے کہ ہمارے ملک کے علوم دینیہ کے مدارس میں اسلام کی ترویج کے لیے جو مثبت اور تعمیری کردار ادا کیا جا رہا ہے، اُس کا رُخ موڑ دیا جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ جب درس نظامی کے سیکڑوں سالوں سے رائج نصاب کو بدل کر جدید اور روشن خیال بنا دیا جائے گا، تب اس سے اسلامی روح ختم ہو جائے گی اور طلبہ وطالبات جو پہلے قال اللہ اور قال الرسول کا وردالاپتے تھے، وہ پیٹ کا ایندھن اکٹھا کرنے کے لیے معاشرے میں پھیل جائیں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہماری حکومت ان مدارس کے اساتذہ کو کچھ نہیں دیتی اور یہ علماء کرام مدارس سے ڈگریاں لینے کے بعد حکومت سے نوکری کے بھی طلب گار نہیں ہوتے تو حکومت اس نظام تعلیم میں کیوں مداخلت کر رہی ہے۔

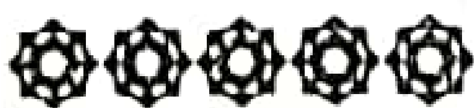
حکومت کی طرف سے گرانٹ ایک لالچ ہے، جو کل نہ صرف انتظامیہ بلکہ اساتذہ پر بھی منفی اثرات مرتب کرے گی، وہ اساتذہ کرام جو روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر لیتے تھے، اب وہ زیادہ تنخواہوں اور مراعات کے چکر میں نہ صرف انتظامی امور میں مداخلت کریں گے، بلکہ ہوسکتا ہے ان اداروں کو چھوڑ کر حکومت کے درِ دولت پر سلامی دینا شروع کر دیں، اس طرح ان حضرات کو نوکریاں فراہم نہ کرنے کی وجہ سے حکومت کو بھی پریشانی لاحق ہوسکتی ہے۔

رجسٹریشن بھی ایک خطرناک مسئلہ ہے، آج جن اداروں کو رجسٹرڈ کیا جائے گا، کل ان کو سرکاری اداروں کی طرح قومی ملکیت میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا کیا گیا تو یہ ادارے بھی سرکاری اداروں کی طرح تباہ ہو جائیں۔

ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ یہ مدارس عربیہ جو اسلامی نظریۂ حیات کے عروج کے لیے اہم کردار ادا کر رہے ہیں، شرح خواندگی میں بھی اضافے کا سبب بن رہے ہیں۔ اس لیے حکومت کو سرکاری اداروں کی بہ نسبت ان اداروں پر زیادہ اعتماد کرنے کی ضرورت ہے۔

و اللہ اعلم بالصواب

[بشکریہ کاروانِ قمر، کراچی، فروری ۲۰۰۶ء]



کچھ
بیان
اپنا

جبلِ اُحد کو مسمار کرنے کا ناپاک مطالبہ

اسلام کے عظیم مراکز حرمین شریفین کی نسبت سے سعودی عرب، ملت اسلامیہ کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ملک ہے--- مگر امت مسلمہ کو دیگر بہت سے درپیش المیوں کی طرح یہ بھی ایک زبردست المیہ اور ٹریجڈی ہے کہ سعودیہ میں "آل شیخ" اور ان کے متبعین کو مکمل مذہبی کنٹرول حاصل ہونے کی وجہ سے وہاں محبت و عقیدت کے مراکز کی اہمیت کو گھٹانے اور ان آثار و زیارات کو منہدم کرنے اور مٹانے کی پوری پوری کوششیں کی جاتی رہیں اور کی جا رہی ہیں کہ جن کا تعلق ذات رسالت مآب ﷺ اور آپ کے آل و اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہے---

جنت البقیع شریف، بدر شریف، احد شریف، جنت المعلی میں اسلام کی مقدس ہستیوں کے مزارات کو مسمار کرنے، مساجد سبعہ، غار سجدہ کے انہدام، ابواء شریف میں حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے مزار مقدس پر بلڈوزر چلانے کے سفاکانہ عمل، باغ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میں حضور ﷺ کے

دست انور سے لگائے گئے پودوں کو جلانے اور مکہ مکرمہ میں مسجد ہلال یا بلال (جہاں شق القمر کا معجزہ رونما ہوا) کو مسمار کر کے اس کی جگہ شاہی محل کی تعمیر سمیت کتنی ہی عظیم، مقدس اور تاریخی یادگاروں کو ختم کرنے اور مولد النبی ﷺ کی جگہ فائیو سٹار ہوٹل کی تعمیر کے منصوبے کے بعد ایک اخباری خبر کے مطابق اب نجدی علماء، اسکالرز اور مفتیوں کی جانب سے جبل احد کو مسمار کرنے کا ناپاک اور ناروا مطالبہ کیا گیا ہے--- اور اس کے لیے عذر لنگ یہ تراشا گیا ہے کہ زائرین وہاں جا کر دعائیں کرتے اور پتھروں کو چومتے ہیں---

دراصل نجدی علماء و سکالرز، عبادت و تعظیم کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور خود ساختہ نظریہ توحید کی آڑ میں شعائر اللہ کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی مذموم کوشش میں لگے رہتے ہیں--- حالانکہ اللہ تعالیٰ کے مکرم بندوں سے منسوب اشیاء، حتی کہ پتھر اور پہاڑ بھی شعائر اللہ بن جاتے ہیں، جن کی تعظیم کو اللہ رب العزت نے دلوں کا تقویٰ قرار دیا ہے--- اور ''احد'' تو وہ پیارا اور مقدس پہاڑ ہے جسے اللہ جل جلالہ کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا محبوب قرار دیا ہے--- جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث صحیح میں ہے، حضور ﷺ جبل احد کی طرف دیکھ کر فرمایا کرتے:

هٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ---

[صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ]

اور مسلم شریف میں ہے:

هٰذَا اُحُدٌ وَ هُوَ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ وَ فِیْ روایة: اِنَّ اُحُداً جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ---

[صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل اُحُد]

جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''---

گویا احد محب بھی ہے اور محبوب بھی---

یہ وہ خوش بخت پہاڑ ہے جس کی محبت کی گواہی مخبر صادق ﷺ نے دی---

یہی وہ مقدس پہاڑ ہے جس پر آقا ﷺ نے قدم رکھا تو یہ خوشی سے جھوم اٹھا تھا---

ایسے مقدس پہاڑ کو مسمار کرنے کی ناپاک سوچ بیمار ذہنیت، قساوت قلبی اور دولت ایمان سے

محرومی کی دلیل ہے---

یہ امر باعث طمانیت ہے کہ گورنر مدینہ پرنس شیخ عبدالعزیز بن عبدالمجید نے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا ہے، البتہ ان کا یہ کہنا کہ "یہاں جنگلہ لگا کر لوگوں کی آمد و رفت کو محدود اور مسدود کر دیا جائے گا" نہایت تشویش ناک ہے---

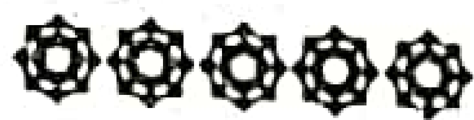
سعودی حکومت بالخصوص گورنر مدینہ کو چاہیے کہ وہ اس تاریخی اور مقدس پہاڑ کو منہدم کرنے کے ناروا مطالبے پر کان نہ دھریں اور امت مسلمہ کی نیتوں پر شک کرتے ہوئے انھیں خواہ مخواہ مشرک بنانے والے نجدی سکالرز اور علماء کے مشوروں پر عمل کر کے اس مقدس پہاڑ کی تاریخی و دینی حیثیت کو جنگلے لگا کر مجروح کرنے سے اجتناب کریں--- ایسے مقدس مقامات پر دعا کرنے والے مسلمان یقیناً اپنے اللہ احکم الحاکمین ہی سے دعا کرتے ہیں---

مسلم حکمرانوں، بالخصوص پاکستانی قیادت کو چاہیے کہ وہ سعودی حکمرانوں کو مولد النبی ﷺ کی جگہ فائیو سٹار ہوٹل بنانے اور جبل احد کو منہدم کرنے یا وہاں جنگلہ لگانے کے نامناسب اقدام سے باز رکھنے کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کریں---

اپنے بادشاہوں اور سربراہوں کے لباس، ان کی تلواروں اور دیگر یادگاروں کو محفوظ رکھنے والی سعودی حکومت کو چاہیے کہ وہ کائنات کے بادشاہ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ سے منسوب مقامات کا بہرحال احترام ملحوظ رکھے کہ انھیں امت مسلمہ کے صرف تاریخی ہی نہیں بلکہ ایمانی و روحانی ورثہ کی حیثیت حاصل ہے---

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب

بصیر پور شریف
27/جنوری 2006ء



جرأت و بہادری---ممتاز حسین قادری

علامہ پروفیسر عون محمد سعیدی

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ قافلہ عشق رسول ﷺ کے چشم و چراغ ''غازی ممتاز حسین قادری'' نے ایک ایسے دینی وقومی مجرم کو اس کے انجام تک پہنچایا:

●......جو قانون ناموس رسالت کو کالا اور ظالمانہ قانون کہتا تھا●......جو مفتیانِ دین کا نام لے کر کہتا تھا کہ میں انہیں اپنے جوتے کی نوک پر بھی نہیں رکھتا●......جو یہود و نصاریٰ اور اہم ترین حکومتی اتھارٹی کے حکم پر قانون ناموس رسالت کے خلاف بنیادی کردار ادا کر رہا تھا●......ایک ایسا متکبر انسان جو برملا کہتا تھا کہ اگر مجھ گورنر کو کچھ ہو گیا تو اس ملک کا کیا بنے گا●......شراب نوشی کرتا تھا ●......خنزیر کا گوشت کھاتا تھا●......سکھ عورت سے شادی کی ہوئی تھی●......علماء کرام کو جاہل ملا کہہ کے پکارتا تھا●......قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے خلاف تھا●......گستاخی رسالت کی مرتکب آسیہ مسیح کو رہا کرانے کی پوری جدو جہد کر رہا تھا●......عریانی وفحاشی اس کے گھر کی لونڈی تھی ●......عدالتی فیصلے کو ماننے کا منکر تھا●......اس کے ایماء پر قانون ناموس رسالت 295-c کو ضیاء کا قانون کہ کر اس میں تبدیلی کا بل قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا تھا●......ایک ایسا شخص جس کا جنازہ پڑھانے سے داتا دربار، شاہی مسجد اور خود گورنر ہاؤس کے خطیب نے انکار کر دیا●......ایک ایسا ملعون کہ جس کے کالے کرتوتوں کی وجہ سے پنجاب یونی ورسٹی کے ہونہار سپوت محمد شاہد نے اس کے ہاتھوں ڈگری لینے سے انکار کر دیا●......جب ملعون قتل ہوا تو اس وقت ملک بھر میں تحریک ناموس رسالت

چل رہی تھی، بڑے بڑے جلوس نکل رہے تھے اور پوری قوم زبردست اشتعال میں تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ اُس سارے معاملے میں تمام علماء نے ملعون کو مرکزی کردار قرار دیا ہوا تھا ●...... حق کا خوف اتنا زیادہ تھا کہ ملعون کا جنازہ پڑھانے والے امام کو بھی پوشیدہ رکھا گیا ●...... ملعون کی نام نہاد رسم قل خوانی میں جن حفاظ نے شرکت کی انہوں نے بھی علماء کے فتوی کے مطابق توبہ کر کے از سر نو کلمہ پڑھا۔ ●...... اگر یہ شخص زندہ رہ جاتا تو پورے ملک میں جاری جلسے جلوس اور ہڑتالیں اس کا اور اس کے حواریوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے۔ قانون ناموس رسالت میں سرِ عام تبدیلی کر دی جاتی اور قوم ہاتھ ملتی رہ جاتی۔

جب ایسے ناپاک شخص کو قومی ہیرو ممتاز حسین قادری نے کیفر کردار تک پہنچایا تو باطل کے علم برداروں پر سکوت مرگ طاری ہو گیا اور ناموس رسالت کا قانون شیطان کے دست برد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی غیبی امداد تھی۔ اس قانون کا تحفظ اس صورت کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ اب شیطان اور اس کے ایجنٹ مجاہد ناموس رسالت غازی ممتاز حسین قادری کی جان لینے کے درپے ہیں تا کہ عشق رسالت کے جذبوں کو سرد کیا جا سکے اور لوگوں کو بتایا جا سکے کہ ناموس رسالت کا تحفظ کتنا بڑا جرم ہے۔

سب جانتے ہیں کہ جب ممتاز قادری نے ملعون کو اس کے منطقی انجام تک پہنچایا ●...... تو صرف اسی کو مارا اس کے علاوہ کسی بھی معصوم کی جان نہیں لی ●...... ملعون کے قتل پر قوم کی بہت بڑی تعداد نے خوشیاں منائیں اور سجدہ شکر ادا کیا ●...... غازی نے برملا کہا کہ اس نے گستاخ رسول کو مارا ہے اور کھلے بندوں اپنی گرفتاری پیش کر دی ●...... ملعون کی حمایت کے لیے ایک بھی وکیل سامنے آنے کے لیے تیار نہ ہوا ●...... تمام مسالک کے علماء نے اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد قرار دیا ●...... جب ممتاز قادری کو عدالت میں پیش کیا گیا تو اہل اسلام کے ایک بہت بڑے جلوس نے اس کا پرجوش نعروں کے ساتھ استقبال کیا اس کو ہار پہنائے، اس پر پھول کی پتیاں نچھاور کیں اور اس کا منہ چومنے لگے ●...... پاکستان بھر سے وکلاء نے اس کا مقدمہ مفت لڑنے کی پیش کش کی ●...... خوف کے مارے غازی کا مقدمہ اوپن نہیں چلایا گیا ●...... تمام مسالک کے جید علماء نے قادری کو ہیرو قرار دیا ●...... اس واقعے کے فوراً بعد قانون ناموس رسالت میں تبدیلی کا بل واپس لے لیا گیا ●...... تبدیلی کا بل جمع کرانے والے عہدہ دار اور اس کی حمایت کرنے والے نام نہاد سکالر ملک سے ہی رفو چکر ہو گئے۔

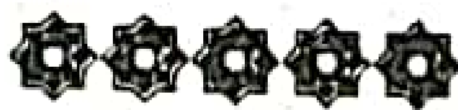
حیرت ہے کہ ملکی قانون میں ریمنڈ ڈیوس کے لیے تو گنجائش نکل سکتی ہے مگر قادری کے لیے پھانسی کو ہی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مقننہ کو نہ تو ڈاکٹر عافیہ کو واپس لانے کا کوئی ضابطہ میسر ہے اور نہ ہی

ممتاز قادری کو بچانے کی کوئی راہ---۔ ایک طویل عرصہ سے یہودی اور عیسائی لابیاں قانون ناموس رسالت کے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ (اور اب بھی لگی ہوئی ہیں) اگر قادری جان، مال، اولاد کی پرواکیے بغیر دیوانہ وار آگے نہ بڑھتا تو اس قانون میں یقینی طور پر تبدیلی کا امکان تھا۔

اسلام دشمن طاقتیں ہمیشہ گستاخان رسول (تسلیمہ نسرین، سلمان رشدی وغیرہ) کی سرپرستی اور غازیان ناموس رسالت (غازی عبدالرحمٰن چیمہ، غازی ممتاز قادری وغیرہ) کے درپے رہی ہیں۔ اب بھی قوی اندیشہ ہے کہ غازی ممتاز قادری کی پھانسی کا فیصلہ امریکی اور قادیانی دباؤ کے تحت کیا گیا ہے۔

یادرکھیے: چودہ صدیوں سے تمام تر علماء کا اتفاق ہے کہ گستاخ رسول کی سزا سرتن سے جدا ہی ہے۔ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔ گستاخ رسول زندہ رہنے کا حق دار نہیں۔ قرآن حکیم کے مطابق ''ملعون گستاخ رسول جہاں کہیں بھی ملیں، پکڑ لیے جائیں اور چن چن کے قتل کیے جائیں [الاحزاب:۶۱] زمانہ رسالت میں کعب بن اشرف، ابورافع، ابن شیخ ہذلی اور ان جیسے کئی بدبختوں کو صرف گستاخی رسالت کی پاداش میں قتل کیا گیا اور حضور ﷺ (فداہ ابی وامی) نے ان کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ ابن خطل گستاخ کو غلاف کعبہ سے نکال کر مطاف میں ہی قتل کردیا گیا۔ یہ بھی یادرکھیے کہ تمام فقہاء اور قانون دانوں کے نزدیک اگر گستاخ رسول کو عدالتی وحکومتی کارروائی سے پہلے کوئی مسلمان قتل کردے تو اس مسلمان پر نہ کوئی سزا ہے، نہ قصاص، نہ دیت اور نہ ہی تعزیر۔ کئی صحابہ کرام نے گستاخان رسول کو جہنم واصل کیا تو حضور ﷺ نے ان مسلمانوں سے قطعاً کوئی بدلہ نہیں لیا۔

الحمدللہ! ۵۰۰ سے زائد مفتیان کرام نے غازی کو دی جانے والی سزا کو قرآن وسنت کے منافی قرار دے دیا اور ۷/اکتوبر ۲۰۱۱ء کو اس غیر شرعی فیصلے کے خلاف ملک بھر کے کروڑوں افراد نے جلسے جلوس مظاہرے اور ہڑتالیں کرکے غازی کے اس جرأت مندانہ اقدام پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ سنی، دیوبندی، اہل حدیث، شیعہ، جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور دیگر طبقات نے اس موقع پر جس طرح مکمل یک جہتی کا اظہار کیا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاملے کی حقانیت اور صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ چند مٹھی بھر لوگوں کا اس بارے میں اختلاف رائے رکھنا ان کی ذاتی تحقیق ہے۔ نہ سارے علماء بے وقوف ہیں اور نہ ساری قوم پاگل ہے۔ اب یہ پوری قوم کا فرض بنتا ہے کہ وہ غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرے اور حکمرانوں کو بتادے کہ غازی کی پھانسی ان کے گلوں کا پھندہ بھی بن سکتی ہے۔



ریاست اسرائیل اور بنی اسرائیل

سے متعلق ناگزیر حقائق

انجینئر مختار حسین فاروقی

ملکی سیاست میں موجودہ حکومت کے دور میں ذرا کھل کر اسرائیل سے روابط کی بات چل رہی ہے اور اس کی خبریں قومی پریس کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ حالیہ خبروں کے مطابق ترکی میں پاکستان اور اسرائیل کے درمیان اعلیٰ سطحی ملاقات اور اس پر صدر پاکستان جناب پرویز مشرف صاحب کے تبصرے اور حالیہ دورۂ امریکہ میں اس سے کہیں آگے بڑھ کر روابط کے شواہد پریس میں آ چکے ہیں۔ جناب چودھری شجاعت صاحب نے ان روابط کو اہل کتاب سے رشتوں کی بات سے جوڑ دیا ہے۔ ایک آزاد نظریاتی ملک کی کسی دوسرے ملک کو تسلیم کرنے کی شروعات کی بات ہو یا رشتے کی ہو (جو اس تحریر کا موضوع بحث نہیں) یہ بات ہر شخص کے نزدیک طے ہے اور common sense کی ہے کہ دونوں صورتوں میں فریقین کا ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ جاننا از حد ضروری ہے۔ لہٰذا درج ذیل سطور میں پاکستان کے باشعور طبقہ اور قومی پریس کے قارئین کے لیے اسرائیل سے متعلق چند حقائق جمع کر دیے گئے ہیں تا کہ ہمارے حکمران بھی علیٰ وجہ البصیرت فیصلے کر سکیں اور ہمارے دانش ور حضرات، علماء کرام اور عوام بھی جو کچھ تنقید کریں، حقائق کو پیش نظر رکھ کر کریں۔

ان سطور میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ صرف حقائق جاننے (fact finding) کے لیے

ہے، اگر کوئی صاحب علم دلیل کے ساتھ کسی غلطی پر توجہ دلائیں گے تو ان کا احسان ہوگا۔ ٥

ان سطور سے بنی اسرائیل یعنی یہود اور Jews کی disgrace مقصود نہیں ہے، وہ بھی اگر کسی بات کو خلاف حقیقت پائیں تو ضرور توجہ دلائیں۔ ان شاء اللہ صحیح موقف کو تسلیم کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔

(نوٹ: اس مختصر اشاراتی تحریر میں حوالہ جات اور متعلقہ کتابوں کے اقتباسات شامل نہیں کیے جاسکتے تھے۔ یہ یقین رہے کہ تمام حقائق معقول کتب کے حوالہ جات کے ساتھ محفوظ ہیں۔)

سطورِ ذیل میں جو باتیں پیش کی جارہی ہیں وہ آسانی کے لیے تین حصوں میں علیحدہ عنوانات کے تحت درج کی گئی ہیں تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو اور وہ تین عنوانات یہ ہیں:

(i) بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی تاریخ

(ii) عہد حاضر میں ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے اسرائیل کا قیام

(iii) بنی اسرائیل کی قومی نفسیات، عمرانی اور سیاسی نقطہ ہائے نظر اور قومی و نظریاتی اہداف

آیئے ان عنوانات پر ترتیب وار مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

۱) بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی تاریخ

۱) ایک فرد کی زندگی میں جو اہمیت اس کے حافظے اور یادداشت کی ہے وہی حیثیت قومی اور اجتماعی زندگی میں تاریخ کی ہوتی ہے۔ مضبوط قبائل اور زندہ قومیں اپنی تاریخ کو حرزِ جان بناتی ہیں اور اپنی آنے والی نسلوں کو از بر کراتی رہتی ہیں تاکہ نظریات، سوچ اور نفسیاتی رویوں کی حفاظت ہو سکے اور یوں ان کا تسلسل بھی قائم رہے۔

۲) بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی تاریخ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے شروع ہوتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے جد امجد ہیں اور یہیں سے یہ تاریخ شروع ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی امتحانوں میں گزری اور آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سارے انعامات سے نوازا، اولاد عطا فرمائی اور آئندہ ختم نبوت تک سارے انبیاء و رسل انہی (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔

۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں یکے بعد دیگرے دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام عطا فرمائے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی والدہ حضرت ہاجرہ سمیت (موجودہ) مکہ میں آباد کیا، جہاں بیت اللہ کے سابقہ آثار

تھے۔ بعد میں زمزم کا چشمہ جاری ہوا اور یوں اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل پھلی پھولی اور عرب آباد ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں اولادِ ابراہیم میں پہلے نبی تھے۔ دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام (ISAAC) کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (موجودہ) فلسطین میں آباد فرمایا۔ ان کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام (JACOB) ہوئے، جن کے بارہ بیٹے تھے، انہی حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اسرائیل۔ اسرائیل معناً بہت خوب لفظ ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب بنا۔ عبرانی میں اس کے معنی ہیں ''اللہ کا اسیر'' یعنی اللہ کا بندہ۔ انہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ انہی کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکومت دی اور ان کے عہد میں بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہو گئے۔

۴) مصر میں چند صدیوں بعد حکومت مقامی حکمرانوں فراعنہ مصر کی آ گئی، تب بنی اسرائیل معتوب ہو کر غلام بنا لیے گئے۔ فراعنۂ مصر اُن سے بیگار لیتے تھے اور انہیں غلام بنا رکھا تھا۔ اغلباً انہی کی محنت اور کاری گری کے نمونے ہیں وہ سارے اہرامِ مصر جو آج بھی اپنی عظمت رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (MOSES) کی پیدائش یہیں ہوئی۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے جلیل القدر پیغمبر بنایا، انہوں نے ایک طرف فرعون کو اسلام کی دعوت دی اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کی غلامی سے لے کر نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعونِ وقت اور اس کے سارے لشکر کو معجزانہ طور پر خلیج سویز میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل پار نکل گئے۔ وہاں سے رفتہ رفتہ جہاد کرتے ہوئے حکومتیں بنائیں اور بارہ قبیلوں نے اقتدار حاصل کیا۔ تاہم آپس کی ناچاقی اور خانہ جنگیوں میں مغلوب ہو گئے اور سلطنتیں ختم ہو گئیں۔ تورات کا اصلی نسخہ گم ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین صدیوں بعد ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام (DAVID) کے ہاتھوں ملک فتح ہوا اور بنی اسرائیل کی عظیم سلطنت قائم ہوئی اور ایک صدی تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں حکومت قائم رہی۔ (حضرت داؤد علیہ السلام کے ۴۰ سال، حضرت سلیمان علیہ السلام (SOLOMAN) کے ۴۰ سال اور ۲۰ سال مزید، یہ سلطنت وقت کی عظیم ترین اور خوش حال ترین سلطنت تھی۔) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک عبادت گاہ (پیغمبرانہ شان اور بادشاہت کے جاہ و جلال کے امتزاج سے) تعمیر کرائی، جو بیت المقدس یا Temple of Soloman کہلائی۔

۹۰۰ ق م کے بعد پہلا دورِ زوال آیا۔ بائبل کے عہد نامہ قدیم میں اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے اور حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق میں نمرود بادشاہوں کا خاندان

جو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے حکمران چلا آ رہا تھا، یروشلم پر حملہ آور ہوا اور بالآخر بنی اسرائیل کو غلام بنالیا۔ بیت المقدس کے پاس یروشلم بارہ لاکھ کی آبادی کا شہر تھا، جس میں چھ لاکھ قتل ہو گئے اور چھ لاکھ بنی اسرائیلیوں کو نمرود بادشاہ بخت نصر (NEUBUCAD NAZR) قیدی بنا کر عراق لے گیا۔ بیت المقدس مسمار کر دیا گیا (عراق کی موجودہ تباہی کا تعلق کوئی دانش ور اس واقعہ سے جوڑے تو شاید بہت زیادہ دور کی کوڑی نہ ہو۔)

۵) ڈیڑھ سو سال کی غلامی کے بعد ایران کا ایک بادشاہ ذوالقرنین (کیخورس، جس کی دین داری کی قرآن مجید تعریف کرتا ہے) نے عراق فتح کیا تو بنی اسرائیل کو آزادی دلائی اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کرنے میں مدد دی۔ حضرت عزیر علیہ السلام اسی دور میں ہوئے اور انہی کی محنت اور دعوت و تبلیغ سے دوبارہ بنی اسرائیل میں دینی روح بیدار ہوئی اور جذبۂ جہاد پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ق م میں دوبارہ ایک سلطنت قائم ہوئی جو بنی اسرائیل کے دوسرے عروج کو ظاہر کرتی ہے۔ اِس دور میں بیت المقدس کی ازسرِ نو شان دار تعمیر ہوئی، یہ دوسرا ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کہلاتا ہے۔

٦) حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے قبل ہی یروشلم اور اس پورے علاقہ پر رومی قابض ہو چکے تھے، تاہم ہندوستان میں انگریزی دورِ اقتدار کی طرح رومیوں نے یہود کو داخلی مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کی بعثت صرف بنی اسرائیل ہی کی طرف تھی۔ بالخصوص یہود کے علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کر دیا اور اپنے اندازے میں تو انہیں رومی گورنر کے ذریعے گرفتار کرا کر سُولی چڑھا دیا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزانہ طور پر آسمان پر زندہ اٹھا لیا، حتیٰ کہ ۷۰ء میں ٹائٹس (TITUS) رومی نامی فاتح نے بنی اسرائیل کے رویے پر غصہ کھا کر انہیں سزا دی۔ بیت المقدس جو مکابی دور میں ازسرِ نو تعمیر کر لیا گیا تھا، گرا دیا گیا اور اس کے آثار بھی ختم کر دیے گئے۔

۷) یہ مسمار شدہ بیت المقدس ۷۰ء سے ۲۰۰۵ء تک گرا پڑا ہے اور اس کی چار دیواری کا ایک مختصر سا اصلی ٹکڑا موجود ہے، جہاں ایک مقدس مقام کے طور پر بنی اسرائیل جمع ہوتے ہیں اور اس کی تعمیر جدید نہ ہو سکنے پر افسوس کرتے ہیں۔ وہ اسے ''دیوارِ گریہ'' (weiling wall) کہتے ہیں۔ ٹائٹس رومی نے یروشلم اور فلسطین سے بھی بنی اسرائیل کو نکال دیا۔ ۷۰ء تا ۱۹۱۷ء بنی اسرائیل دنیا بھر میں منتشر رہے اور یہ دَور اُن کا Diaspora یعنی دورِ انتشار کہلاتا ہے۔ ان انیس صدیوں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

میں بنی اسرائیل کا کوئی وطن نہیں تھا اور حکومت بھی کہیں نہیں بن سکی، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے رہے۔ اس عرصے میں بنی اسرائیل عرب، ایران، عراق، ہندوستان، چین، ترکستان، یورپ، امریکہ اور نا معلوم کہاں کہاں پہنچے اور ایک نسلی مذہب (racial creed) کی حیثیت سے اپنی روایات اور تاریخ کا تحفظ کرتے رہے۔

۸) بنی اسرائیل کے کچھ لوگ پانچویں صدی عیسوی میں یثرب (مدینۃ النبی ﷺ) میں آ کر آباد ہوئے کہ یہاں نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ تشریف لائیں گے اور حیرت ہے کہ تورات اور دوسرے انبیاء کرام کی پیشین گوئیاں کتنی درست تھیں اور ان کا اندازہ کس قدر صحیح (accurate) تھا کہ ۵۳ برس مکہ میں گزارنے کے بعد حضرت محمد ﷺ بالآخر مدینہ تشریف لے آئے اور یوں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے توبہ اور ایمان کا ایک اعلیٰ اور شاندار موقع نصیب فرمایا، مگر بنی اسرائیل کے تین قبائل جو مدینہ منورہ میں آباد تھے، حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کے باوجود ایمان سے محروم رہے۔

ایک معاہدے ''میثاقِ مدینہ'' میں حلیف بننے کے باوجود مسلمانوں اور حضرت محمد ﷺ سے بے وفائی کی اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ بدر کے موقع پر پہلے ایک قبیلے نے بدعہدی کی سزا پائی، پھر جنگ اُحد کے موقع پر دوسرے قبیلے نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی، کفار کو مدینے پر چڑھائی کی دعوت دی اور سزا پائی۔ یہ قبیلہ بھی جلاوطن کر دیا گیا۔ تیسرے قبیلے نے ان واقعات سے سبق نہ سیکھا اور طے شدہ پروگرام کے مطابق جنگ احزاب (خندق) کے موقع پر کفار سے روابط بڑھا کر اسلام کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنا کر مسلمانوں کے خاتمے کے بعد مدینہ پر قبضہ کا ارادہ کیا، مگر جنگ احزاب میں کفار مکہ کی ناکامی پر اُن کا منصوبہ بھی خاک میں مل گیا اور بدعہدی کی سزا کے طور پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تورات کے مطابق انہیں بدعہدی کی سزا دلائی، جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے ۷۰۰ کے لگ بھگ قابل جنگ جوان قتل کر دیے گئے، مگر اسلام نہیں لائے۔

پہلے ان کو خیبر میں رہنے کا موقع دیا گیا مگر وہاں بھی قرب کی وجہ سے سازشوں میں حصہ لینے سے نہ رکے تو رحمتِ عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں شمال کی طرف دھکیل دیا اور وصیت فرمائی کہ بنی اسرائیل کی سازشوں سے بچنے کے لیے جیسے ہی عرب میں اسلام کی حکومت مستحکم ہو اُن کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے، چنانچہ یہ کام دورِ فاروقی میں تکمیل پذیر ہوا۔ قیامِ مدینہ کے دوران بنی اسرائیل نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے قتل کے دو منصوبے تیار کیے، تاہم ناکامی ان کا مقدر بنی۔ البتہ بنی اسرائیل پر قتلِ انبیاء کا سابقہ جرم ایک دفعہ پھر ثابت ہو گیا کہ وہ

انبیاءکرام علیہم السلام کو بلا جواز قتل کر دیتے تھے۔

۹) حضرت عمرؓ کے دور میں ۱۶ھ/۶۴۴ء میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو یہ جگہ اُس وقت عیسائیوں کے پاس تھی اور جب فتح کے بعد معاہدہ لکھا جا رہا تھا اور عیسائیوں کے لیے آئندہ مراعات لکھی جا رہی تھیں تو حضرت عمرؓ نے بنی اسرائیل پر عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاریخی احسان فرمایا اور معاہدہ میں یہ تحریر کرایا کہ بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہے گا، عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے مقدس مقامات دیکھنے کی اجازت ہوگی۔ اس طرح چھ صدیوں بعد بنی اسرائیل کو بھی اجازت دے دی گئی کہ وہ آ کر اپنے مقدس مقامات کو دیکھیں (جیسے آج کل عالم اسلام سے مسلمان حج، عمرہ کے لیے جاتے ہیں) تاہم آبادکاری کی اجازت نہیں تھی۔

۱۰) بنی اسرائیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو خلافت راشدہ اور اس کے بعد بہت عزت و وقار سے رہنے کا موقع دیا گیا اور اعلیٰ عہدے دیے گئے۔ حتیٰ کہ سپین (جس کا نام ہسپانیہ اور اندلس بھی ہے) کے تقریباً آٹھ سو سالہ دورِ بنی اُمیہ (۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء) میں بنی اسرائیل بالخصوص یہود کو نہایت عزت دی گئی اور وہ مراعات سے فائدہ اٹھاتے رہے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے اپنے مؤرخین اس ''دورِ انتشار'' کے دوران، مسلم سپین کے آٹھ سو سال نہایت شان دار، بے مثال اور عیش و عشرت کے حامل سمجھتے ہیں۔

۱۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم سپین کے علاوہ باقی یورپ تو آغازِ اسلام سے ہزار سال تک اندھیروں میں رہا۔ برٹرینڈ رسل (برطانوی مصنف) لکھتا ہے کہ یورپ ہزار سال ''قرونِ مظلمہ'' یا ''تاریک دور'' (Dark Ages) میں رہا، تاہم مسلم سپین یورپ میں ہونے کے باوجود اس ''تاریک دور'' کے لیبل سے مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا یہود کے لیے بھی مسلم سپین کے عرصہ کی مراعات اور سہولتیں عیسائی یورپ کے مقابلہ میں یقیناً بے مثال ہی ہوں گی۔

۲) عہد حاضر میں ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے اسرائیل کا قیام

سپین پر مسلمانوں کی حکومت کے پُرامن دَور (دورِ بنو امیہ ۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء) میں یہود کو ہر قسم کی مراعات اور امن میسر رہا، اسی دور میں مسلمان علم اور تحقیق کے میدان میں یونان اور یورپ کو کہیں پیچھے چھوڑ گئے۔ یورپ کے عیسائی اور یہودی مسلم سپین میں اسی طرح تعلیم حاصل کرنے آتے تھے اور روشنی، ترقی اور وسیع الظرفی لے کر لوٹتے تھے، جیسے آج تھرڈ ورلڈ سے لوگ مغربی ممالک میں جاتے ہیں۔

اسی پُر امن دَور میں یہود نے مسلمانوں ہی کی گود میں بیٹھ کر مستقبل کی ایک طویل منصوبہ بندی کی اور قدرت کے اٹل قانونِ عروج وزوال کے تحت مسلمانوں کے ممکنہ زوال کے بعد خلا کو پُر کرنے کے لیے ایک عالمی ریاست کا نقشہ بنایا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہودی بنی اسرائیل کی بنیاد پر کبھی یہودی ریاست کا معاملہ نہیں سوچ سکتے تھے۔ یہودیت ایک ''ایک نسلی مذہب'' ہے اور شاید ہی کسی غیر بنی اسرائیل نے یہودیت قبول کی ہو یا یہود نے اسے own کیا ہو۔ (شاید ایک مثال روسی ترکستان کے ایک قبیلے کی ہے، جسے ''تیرھواں قبیلہ'' کا نام دیا گیا ہے، اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل ہی مشہور و معروف ہیں، و اللّٰہ اعلم)

چنانچہ یہود پر یہ بات واضح تھی کہ وہ اپنے مذہب کی بنیاد پر عالمی سلطنت نہیں بنا سکتے اور شاید کبھی بھی نہیں بنا سکتے، لہٰذا انہوں نے یہ کام غیر مذہبی بنیادوں پر یا سیکولر بنیادوں پر کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کے لیے انہوں نے ایک ہزار سالہ منصوبہ بنایا اور اس کام کے لیے انہوں نے اس بات سے بھرپور فائدہ اٹھایا کہ یہودی دنیا کے ہر ملک میں پھیل گئے اور حکومتوں کے مالی معاملات کے نہ صرف نہایت قریب رہے بلکہ اس میں حیرت انگیز حد تک مداخلت بھی کرتے رہے۔ اس ساری تاریخ کا معاملہ ۱۰۰۱ء سے شروع ہو کر ۲۰۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس منصوبے میں وہ کس حد تک کامیاب ہو گئے ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے۔ تاہم بے حد اہم سنگ ہائے میل (land marks) کا ایک چارٹ نیچے درج ہے، جس سے ان کی مسلسل اور ان تھک محنت کا سراغ ضرور ملے گا۔

ایک اہم بات اس ایک ہزار سالہ تاریخ عالم میں اظہر من الشمس نظر آئے گی کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے یہود نے جو پالیسی طے کی تھی وہ یہ تھی کہ خود نمایاں ہو کر یا مدِ مقابل بن کر کبھی سامنے نہیں آنا، بلکہ پیچھے رہ کر کام کرنا ہے اور دوسروں کو استعمال کرنا ہے اور اس پالیسی پر عمل درآمد کرنے میں وہ صد فی صد درجے کامیاب رہے ہیں اور کامیاب ہیں۔ تاریخ میں یہ مقامِ حیرت ہے کہ ماسوائے چند مواقع کے شاید ہی کسی نے ان کو بے نقاب کیا ہو!

گیارھویں صدی (۱۰۰۰ء تا ۱۱۰۰ء)

خلافت راشدہ کے بعد بنو اُمیہ کا دَورِ حکومت ہے (۶۶۱ء تا ۷۴۳ء)، اس کے بعد بنو عباس کا پانچ سو سالہ دَورِ حکومت ہے۔ عباسی حکومت کے ابتدائی ۱۱۵ سال انتہائی شان و شوکت اور غلبہ و استحکام کے ہیں (۷۴۳ء تا ۸۴۹ء)، اگلے ۲۰۰ سال دورِ انحطاط ہے (۸۴۹ء تا ۱۰۵۰ء)، دوسرے ملینیم کے آغاز تک پہنچتے پہنچتے عباسی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی اور باہمی اختلاف نمایاں ہو رہے

تھے۔ یہود نے مسلمانوں کے درمیان خلفشار پیدا کرنے کے لیے حسن بن صباح اور دوسری خفیہ تنظیمیں اٹھائیں تا کہ ان اختلافات کو اُبھارا جا سکے۔ اسی طرح کا کام انہوں نے یورپ میں عیسائیوں کے ساتھ کیا اور عیسائیوں سے دشمنی اور کمزور ہونے کے باوجود سازشیں کیں اور عیسائیوں کو مسلمانوں سے لڑنے اور بیت المقدس آزاد کرانے کا نعرہ دیا، حالانکہ سارے یورپی مؤرخ متفق ہیں کہ عباسی دور میں عیسائیوں کو بیت المقدس میں بے پناہ امن وسکون اور مراعات حاصل تھیں۔ یہ بھی اسرائیل کے یہود کی محنت کا حاصل تھا کہ یورپی بادشاہوں (انگلستان، جرمنی، فرانس وغیرہ) کو ابھار کر صلیبی جنگوں کا آغاز کرا دیا اور مسلمانوں کے باہمی خلفشار اور یورپی عیسائیوں میں جوشِ انتقام کے جذبے نے یہ نتیجہ دکھایا کہ بیت المقدس عیسائیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا (۱۰۹۹ء)۔ اس کا پورے یورپ میں بہت چرچا ہوا اور یہودیوں کی good will میں اضافہ ہوا اور وہ یورپ کو جگا کر عالم اسلام کے قلب پر حملہ آور ہو کر اس کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

بارھویں صدی (۱۱۰۱ء تا ۱۲۰۱ء)

بارھویں صدی میں پورا یورپ متحد رہا اور اسی نشے میں سرشار رہا کہ بیت المقدس مسلمانوں سے حاصل کر لیا ہے۔ یہود اپنی گرفت مضبوط کرنے والی چالوں میں لگے رہے، مسلمانوں میں باہمی خلفشار ابھارنے کے لیے اندر سے ہی لوگ کھڑے کیے گئے اور مرکز گریز اور اسلامی بنیادی عقائد سے بیزار طبقات کو افریقہ میں سر اٹھانے کا موقع ملا۔ یہاں تک کہ یہود ہی کی سرپرستی میں عرب میں حج موقوف رہا اور حجر اسود مصر میں حاکم وقت کے پائیدان کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ صرف بیت اللہ ہی نہیں، مدینۃ النبی ﷺ میں بھی وہ سازش زبان زد عام ہے کہ یہودیوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کا جسد مبارک چوری کرنے کا خوف ناک منصوبہ بنایا کہ حرمین شریفین کا تقدس ہی ختم ہو جائے۔ اس سازش کو اللہ تعالیٰ نے خدا ترس حکمران نور الدین زنگی کے ہاتھوں نہ صرف تلپٹ کر دیا بلکہ سازشی یہودیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دینے کا اہتمام بھی ہو گیا۔ نور الدین زنگی کے بعد صلاح الدین ایوبی نے مرکز گریز عناصر کا قلع قمع کیا۔ اس نے مسلمانوں کی طرف سے پیش قدمی کر کے ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس واپس لے لیا اور عیسائی حکمرانوں کے ایک صدی کے مظالم کے مقابلے میں عام معافی دے دی۔ اس عبرت ناک شکست سے عیسائیت اور یہودیت کو دھچکا لگا۔ عالم عیسائیت تو سوگ مناتا رہا اور اس کی وجوہات تلاش کرتا رہا، تاہم یہود نے یہ نتیجہ نکالا کہ یورپ کے بادشاہوں کے ذریعے اسلام کو ختم کرنا ممکن نہیں، لہٰذا وہ دوسرے alternates پر غور کرنے لگے۔

تیرھویں صدی (۱۲۰۱ء تا ۱۳۰۰ء)

سیکولر بنیادوں پر یہود اقلیت نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جدید نظام کی پہلی اینٹ یہ رکھی کہ ۱۲۱۵ء میں انسانی حقوق (Human Rights) منظور کیے گئے اور ۱۲۲۵ء میں شاہ انگلستان نے منشورِ آزادی (Magna Carta) کی منظوری دے دی۔ اُس وقت شاید عیسائیت اور چرچ کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ لادینیت کا سیکولر بیج جب درخت بنے گا تو عیسائیت کے لیے بھی کتنا خوف ناک ثابت ہوگا۔ یہود نے عالم اسلام کے خاتمے کے لیے عباسی حکومت کے پانچ سو سالہ دور اقتدار کو ختم کرنا ضروری سمجھا، جس کے لیے دنیا بھر میں تلاش کے بعد چین میں چنگیز خان سے رابطہ کیا اور اسے ایشیا کی ان سونا اگلتی زمینوں اور زرعی علاقوں کا خواب دکھا کر اور اندر سے مدد اور مشوروں کی امید پر بغداد پر حملہ کے لیے آمادہ کیا اور بالآخر ۱۲۵۸ء میں طویل خانہ جنگی اور تباہی کے بعد عباسی سلطنت ختم ہوگئی۔ یہود کے لیے شاید یہ توقع سے کہیں بڑھ کر کام ہوا، اس لیے کہ وہ فوری طور پر اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے اور عالم اسلام آئندہ تین صدیاں بے لنگر کے جہاز کی مانند بے مقصدیت کا شکار رہا۔

چودھویں تا سولھویں صدی (۱۳۰۱ء تا ۱۶۰۰ء)

یورپ میں انسانی حقوق اور اقلیتوں کو بھی مساوی حقوق کے تصور کے سائے میں یورپ کے طول و عرض میں یہود کو ذرا سکون ملا تو انہوں نے ایک طرف یورپ میں عیسائی مذہب کے خلاف پروٹسٹنٹ تحریک شروع کردی اور اس کے لیے ہر طرح سے امداد فراہم کی اور آرتھوڈوکس عیسائی عقائد کے مقابلے میں جدید، آزاد اور روشن خیال عیسائیت کی راہ ہموار کرنا شروع کی۔ اس کے لیے لوگوں نے بہت قربانیاں دیں، حتیٰ کہ طویل جدوجہد کے بعد یہود اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ ایک طرف عیسائیوں کے ذریعے ۱۴۹۲ء میں بنو امیہ کا ۸۰۰ سالہ اقتدار ختم کردیا اور دوسری طرف معیشت میں سود کو داخل کردیا۔ اسلام کی طرح یہودیت اور عیسائیت دونوں میں سود حرام ہے، مگر عیسائیت ہی کے ایک فرقے کے طور پر پروٹسٹنٹس کو سود کی اجازت مل گئی، جس کا کماحقہ فائدہ یہود نے اٹھایا اور سولھویں صدی کے وسط میں بینک آف انگلینڈ قائم کردیا اور اس کے کاروبار کو توسیع دینا شروع کردی۔ مقصد یہ حاصل کیا گیا کہ عالمی سلطنت کے منصوبے کے لیے جن بے پناہ وسائل کی ضرورت تھی وہ اس کے بغیر ہاتھ نہیں آسکتے تھے اور دوسرے بڑے اور عالمی سطح کے اداروں کے بغیر حکومت کو غیر محسوس طریقے پر کنٹرول کرنا ممکن نہیں تھا۔ عالمی سطح کے اداروں میں یہودی شناخت پس پردہ ہی رہتی تھی۔ اس

طویل جدوجہد کا ایک حاصل پیپر کرنسی کا اجراء بھی تھا، جسے بینکوں کے ذریعے عام کیا گیا۔

سترھویں اور اٹھارھویں صدی (۱۶۰۱ء تا ۱۸۰۰ء)

اسی دور میں سائنسی ایجادات اور صنعتی ترقی کا دور شروع ہوا اور اس کے ساتھ ہی یورپی اقوام کے افریقی مقبوضات کے کنٹرول پر باہمی لڑائیوں کے سلسلے میں خلفشار نے پوپ تک کو پریشان کر دیا، چنانچہ پوپ نے مداخلت کر کے تمام یورپی ممالک کی صلح بھی کرائی اور افریقی مقبوضات میں حد بندی بھی کی اور سائنسی ترقی کے ثمرات سمیٹنے کے لیے یورپی عیسائی ممالک میں co-existane کے اصول بھی طے کرا دیے۔ چنانچہ شیشے کی صنعت بلجیم کو ملی، آرائشی شیشہ اور برتن پرفیوم وغیرہ فرانس اور ہیوی انڈسٹری برطانیہ وغیرہ کے حصے میں آئیں، علیٰ ہذا القیاس! جس سے یہود کو امن وسکون اور مستقل بنیادوں پر اپنے مقاصد اور سودی معیشت کو آگے بڑھانے کے بے پناہ مواقع میسر آ گئے۔ عیسائیت کے مظالم کی وجہ سے یورپ میں عام آدمی کی حالت بہت ابتر تھی اور سائنسی ترقی اور آزاد خیالی بھی چرچ اور عام عیسائی ذہن کو پسند نہیں تھی۔ پھر چرچ اور بادشاہت کے تعاون (جس کے تحت سارے یورپی ممالک ویٹی کن سٹیٹ اور عیسائیت کی تبلیغ کے سرکاری سطح پر اخراجات برداشت کرتے ہیں اور چرچ آف انگلینڈ عیسائیت کے فروغ کے لیے ذمہ دار ہے اور انگلینڈ یعنی برطانیہ کا تخت، بادشاہ ہو یا ملکہ، سیاسی سطح پر عیسائی مذہب بالفاظِ دیگر پوپ کے فیصلوں اور ترجیحات کے فروغ اور مفادات کے تحفظ کا ذمہ دار ہے) کے نتیجے میں پوپ کی بادشاہوں کی جا بے جا پشت پناہی کی وجہ سے عوام تنگ آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ تحریک انقلابِ فرانس پر منتج ہوئی اور جمہوریت کے نام پر بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان حالات میں یہود کو یورپ کے مستقبل سے کوئی زیادہ توقع نہیں رہی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے نئی دنیا تلاش کرتے ہوئے امریکہ کو منتخب کرنا پڑا، جو عام معلوم دنیا سے بہت دور ہے اور یہود کی سازشوں کو منظر عام پر لانے سے روکنے کا قدرتی ذریعہ بھی۔ چنانچہ انقلابِ فرانس کے جلد ہی بعد امریکہ میں بھی طویل خانہ جنگی کے بعد ۱۷۷۶ء میں جدید امریکہ کا آئین اور ایک پائیدار حکومت کے قیام کا منصوبہ بنا، جو کامیابی سے آج تک چل رہا ہے اور اس کے محلِ وقوع کی وجہ سے کوئی بڑا دھچکا نہیں لگا۔

یورپ سے مایوسی کی ایک اور وجہ اس سے بہت نمایاں ہے اور وہ ہے عالم اسلام کی طرف ایک واقعی تہدید (threat) جسے یہود ہضم نہیں کر سکتے تھے۔ ہوا یوں کہ ۱۲۵۸ء میں عباسی حکومت کے خاتمے کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی، بے انتظامی اور طوائف الملوکی رہی، جس سے یہودی

منصوبوں کو ناکامی کا خطرہ نظر آیا کہ وہ کنٹرول نہیں کر پا رہے تھے۔ تاہم سولھویں صدی کے دوران ہندوستان میں مغلیہ سلطنت (۱۵۲۸ء)، ایران میں اسماعیل صفوی کی حکومت (۱۵۴۰ء) اور ترکی میں عثمانی سلطنت کا عروج واستحکام ہوا اور ۱۴۹۲ء میں جہاں مغربی یورپ میں اسلام کا سورج غروب ہوا وہیں یہود کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ خلافِ توقع مشرقی یورپ میں ۱۴۵۲ء ہی میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے عیسائیوں کو یورپ تک محدود کر دیا اور ترکوں کی حکومت میں اسلام کی برکات اور امن وسکون کا عوامی احساس مشرقی یورپ کو اسلام کے دامن میں لے آیا اور مسلمان ترک افواج مشرقی یورپ کو فتح کر کے فرانس کے دروازے تک دستک دینے لگیں۔ یہ ایک خارجی اور حقیقی وجہ بھی تھی جس کی وجہ سے یہود کو یورپ سے مایوس ہو کر مستقبل کے سہانے خوابوں اور عالمی سلطنت کے قیام کے لیے امریکہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ یہی عالمی سلطنت کے قیام اور پوری دنیا پر حکومت کا یہودی ذہن ہے، جس کے کئی مظاہر آج بھی امریکی تاریخ اور اس کے رویے میں رچے بسے ہیں۔

امریکی کرنسی کا ایک ڈالر کا نوٹ بہت اہم ہے اور اس کا ڈیزائن شاید دو صدیوں سے یہی چلا آ رہا ہے، اس پر ایک اہرام مصر کی طرز کی عمارت بنی ہوئی ہے اور اس پر ایک آنکھ۔ بھلا امریکیوں اور اہرام مصر کا کیا تعلق؟ یہ تو فرعون کی غلامی کے دور میں یہود کی تاریخ ہے اور شاید انہی کے خون اور پسینے سے بنائے گئے ہیں۔ (یہود کی خود بنائی ہوئی فلم Ten Commandments میں اہرام کی تعمیر کے دوران بنی اسرائیل پر مظالم کا جو نقشہ پیش کیا گیا وہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ایک آنکھ خیالی عالمی نظام کی طرف اشارہ ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف اس نوٹ پر عبارت ہے: Novus Ordo Seclorum یعنی نیوسیکولر ورلڈ آرڈر۔ نیو ورلڈ آرڈر کا جو نعرہ بش اکبر نے ۱۹۹۰ء میں پہلی عراق جنگ کے دوران لگایا، اس کا خمیر یہود کے ذہن میں ایک ہزار سال سے تھا اور اس کا اظہار امریکی کرنسی پر دو صدیوں سے زیادہ عرصے سے تحریراً موجود ہے۔ گویا یہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' دراصل ''جیو ورلڈ آرڈر'' ہے۔ پھر یہ بات کہ عام ممالک میں کرنسی کا اجراء اور پرنٹنگ حکومتوں کا معاملہ ہے، جب کہ امریکہ میں یہ اختیار بالواسطہ طور پر حکومت کے پاس نہیں بلکہ ۱۸۴۳ء سے بینکوں کے واسطے سے یہود کے ہاتھوں میں ہے۔

انیسویں اور بیسویں صدی (۱۸۰۱ء تا ۲۰۰۰ء)

ریاست اسرائیل کے قیام کے لیے ضروری وسائل جمع ہوتے ہی بنی اسرائیل نے براہِ راست

اقدامات کرنے شروع کیے۔ مسلمانوں کی تین سلطنتوں کے حصے بخرے کرنا پہلا مرحلہ تھا۔ برصغیر میں یہ عمل سترہویں صدی سے شروع ہو گیا تھا تاہم ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر قبضے سے مسلمانوں کے بے شمار وسائل تاج برطانیہ کے ماتحت چلے گئے۔ صفوی حکومت کے لیے بھی مسائل پیدا کیے گئے اور وہاں بھی انگریزوں نے پاؤں پھیلانے شروع کر دیے۔ صنعتی ترقی کے ساتھ مغربی نظریات بھی پھیلنا شروع ہوئے تو بے خدا تعلیم (Godless Education) کی ابتدا کی گئی اور یوں سائنس اور مذہب کو جدا کر دیا گیا۔ مغرب میں چرچ اور حکومت بھی الگ ہو گئے، نظریات کے میدان میں نئے نئے فلسفوں کے ذریعے اعلیٰ اقدار اور اخلاق و کردار کو ختم کر دیا گیا۔

ڈارون تھیوری کے ذریعے انسان بس ایک ترقی یافتہ حیوان بن گیا تو آہستہ آہستہ شرم و حیا، پردہ، ستر، لباس اور اخلاق و کردار کو بھی قصۂ ماضی بنا دیا گیا۔ فرائڈ کے نظریات نے مقدس انسانی رشتوں کو بھی حیوانیت کی بھینٹ چڑھا دیا۔

سلطنت عثمانیہ کے افریقی مقبوضات پہلے ختم کیے گئے۔ پھر شمالی افریقہ کے اہم ممالک مراکش، الجزائر، لیبیا اور مصر وغیرہ یورپی اقوام کے پاس چلے گئے اور یوں فلسطین سے قریب تر ہو کر بنی اسرائیل کو مزید کارروائیاں کرنے کا موقع مل گیا۔ سلطنت عثمانیہ بھی تین صدیوں کے بعد اب زوال پذیر تھی۔ مزید برآں انیسویں صدی کے کچھ حادثات و واقعات نے اسے اور کمزور کر دیا اور اس کے لیے اپنے مقبوضات کو کنٹرول کرنا ممکن نہیں رہا، لہٰذا پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ اور جرمنی بظاہر دشمن ہونے کے باوجود دونوں یہودی مقاصد کے حصول کے لیے غیر شعوری طور پر سرگرم تھے اور جیت کسی کی ہو، مقاصد بنی اسرائیل کے پورے ہونے تھے۔ اس لیے کہ پیسہ دونوں طرف یہود ہی کا تھا، جو جنگی اخراجات میں کام آ رہا تھا۔ یہ پیسہ جنگوں میں کس طرح دیا جاتا ہے اور حکومتیں کس طرح مدتوں یہ قرض مع سود مرکب ادا کرتی ہیں، اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

۱۸۱۳ء میں نپولین بوناپارٹ کے ساتھ جنگ کے لیے انگلستان نے بینک آف انگلینڈ سے قرض لیا جو سود در سود ۱۵۰ سال تک ادا ہوتا رہا۔ اسی طرح ہر جنگ کے بعد کے قرضے قیاس کر لیں۔

چنانچہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء–۱۹۱۸ء) کے دوران تمام عرب علاقے سلطنت عثمانیہ سے کاٹ دیے گئے، حتیٰ کہ فلسطین بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا اور ایک برطانوی جنرل نے ۱۱۸۷ء کے بعد پہلی مرتبہ ۱۹۱۷ء میں سلطان صلاح الدین کی قبر پر آ کر کہا کہ Saladin, look we have come! یہ وہ دل کے پھپھولے تھے جو زبان پر آ گئے اور "اعلانِ بالفور" کے ذریعے

۱۹۱۷ء میں یہود کو فلسطین میں آبادکاری کا جواز مل گیا تو انہوں نے دھڑا دھڑ بڑے بڑے رقبے خرید کر آباد ہونا شروع کر دیا اور فلسطینیوں کا اخراج عمل میں آنا شروع ہوا۔ صرف ڈیڑھ سو سال کے اندر بنی اسرائیل نے سازشوں کے ذریعے سلطنت مغلیہ، ایرانی سلطنت اور عظیم سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا کے نقشے پر مسلم اکثریت کا واحد ملک ترکی ایسا رہ گیا جو آزاد تھا، ورنہ تمام عالم اسلام یورپی اقوام کا غلام بنا لیا گیا اور بنی اسرائیل کو فلسطین میں آبادکاری کی اجازت بھی مل گئی۔ ۱۹۲۴ء میں نام نہاد خلافت کا بھی مصطفےٰ اتاترک کے ذریعے خاتمہ کر دیا گیا۔ رومن لاء کو ریاست کا قانون بنا دیا گیا اور دینی شعائر پر پابندی لگا دی گئی۔ مسلمانوں کے مرکزی ادارۂ خلافت کے خاتمے کے بعد مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کو مزید تقسیم کر دیا گیا اور مسلمان کا بحیثیت ملّت کے وجود ختم ہو گیا۔ مسلمان اب کئی اقوام اور ممالک میں تقسیم ہو کر رہ گئے اور یہ صورت حال آج (۲۰۰۵ء) تک باقی ہے۔

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء) کے دوران پھر ایک بار برطانیہ اور جرمنی کی پشت پر یہود تھے، تاہم جرمنی کو یہود کی ڈبل گیم اور زیر زمین سرگرمیوں کا اندازہ ہو گیا تو اس نے بقول یہود ۶۰ لاکھ یہودی ۱۹۴۵ء میں قتل کر دیے، جس واقعہ کو Holocaust کہا جاتا ہے۔ تاہم برطانیہ کی فتح کے بعد ''یو این او'' کا قیام عمل میں آیا اور یوں تمام عالم کا اقوام کی رہنمائی ایک محدود گروہ کے ہاتھ میں آ گئی، جب کہ یہ گروہ پہلے ہی یہود کا آلہ کار تھا۔ پانچ ممالک کو ''اقوام متحدہ'' کے فیصلوں پر ویٹو کا اختیار حاصل ہے۔ اس سارے عمل مین یہود نے ہمیشہ آرتھوڈوکس عیسائیوں کو نظر انداز کیا اور پروٹسٹنٹس کو ہر طرح سے uphold کر کے ان کی پشت پناہی کی اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال بھی کیا۔ اسی کے لیے مغرب میں WASP کی اصطلاح عام ہے۔ (White Anglo Saxon Protestants)

یہود نے ۱۸۹۶ء میں حالات کا جائزہ لے کر اپنے بڑوں کا ایک اجلاس بلایا اور اتفاق رائے سے حالات کو سازگار سمجھ کر ریاست اسرائیل کے قیام کی نہ صرف منظوری دی بلکہ اس کے مقاصد بھی معین کر دیے۔ یعنی ایک چھوٹی ریاست لے کر اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کی سلطنت کے برابر کر دینا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت المقدس کو، جو ۵۶۷ ق م اور ۷۰ء میں دوبار گر چکا ہے، تیسری مرتبہ تعمیر کرنا۔ طریق کار یا راہِ عمل (modus operandi) کے طور پر ہر طرح سے دشمنوں کو استعمال کر کے اور ہر اصول کو توڑ کر اور ہر اخلاقی حد کو عبور کر کے بھی یہ مقصد پورا کرنا طے پایا۔ ۱۹۰۶ء میں (جب ڈھاکہ میں مسلم لیگ بنی، اسی سال) اسرائیل بنا تو نہیں مگر

''عظیم تر اسرائیل'' کا نقشہ منصۂ شہود پر لایا گیا۔ اسی مقصد کے لیے حکومتوں کو خریدنا، ورغلانا، تجارتی بددیانتیوں اور عیاشیوں کے ذریعے اہل ثروت کو گمراہ کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا، سیکس، شراب اور رشوت کے ذریعے مقاصد کا حصول ممکن بنانا اور حکومتوں کو قرضوں کی سیاست میں جکڑ کر مجبور و محکوم کر دینا، بنی اسرائیل کا اجتماعی اخلاق رہا ہے۔ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کا قیام اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

بالآخر مئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا اعلان کر دیا گیا اور ایک چھوٹی سی ریاست دنیا کے نقشے پر اُبھر آئی، جو ایک ''یک نسلی مذہبی ریاست'' تھی۔ یہ ریاست روزِ اوّل سے ہی اپنے توسیع پسندانہ عزائم پر عمل پیرا ہے۔ آس پاس کے علاقے پر قبضہ کر لیا گیا، مقیم فلسطینیوں کو بے دخل کر دیا گیا اور دو جنگوں کے ذریعے اسرائیل نے نہ صرف بیت المقدس (یروشلم) پر قبضہ کر لیا بلکہ بہت سے علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس وقت کی ریاست اسرائیل جو ایک حقیقت ہے، اس کے لیے زمینی اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

دی ورلڈ اکنامک ۲۰۰۰ء کے مطابق یہ اعداد و شمار مندرجہ ذیل ہیں:

آبادی	: ۵ء۵۷ملین ۲۰۰۰ء (۰ء۳۵ملین ۱۷۸۵ء)
شرح آبادی	: ۷۱۹/۱ افراد فی مربع میل
شہری آبادی	: ۹۱ فی صد
آبادی کی نوعیت	: یہودی ۸۲ فی صد، غیر یہودی (زیادہ تر عرب) ۱۸ فی صد
اہم زبان	: عبرانی
مذاہب	: سب سے بڑا مذہب یہودیت ۸۲ فی صد، دوسرے نمبر پر مسلمان (سنی) ۱۴ فی صد
رقبہ	: ۸۰۰۰ مربع میل
محل وقوع	: مشرق وسطیٰ کا مغربی حصہ اور بحیرۂ روم کے مشرقی حصہ پر واقع
حدود اربعہ	: شمال میں لبنان، شام، ویسٹ بینک اور اردن، مشرق میں غزہ کی پٹی اور مغرب میں مصر
حکومت	: ری پبلک
مقامی (اندرونی)	: چھ اضلاع میں تقسیم
مسلح فوج	: ۱/۱۷۵۰۰۰ افراد
تعلیم	: ۵ سال سے ۱۵ سال کی عمر تک تعلیم مفت اور لازمی
شرح خواندگی	: ۹۹ فی صد

ویب سائٹ : www.israel.com

بنی اسرائیل اپنے مقاصد میں اس خوف ناک حد تک کامیاب رہے ہیں کہ اب دنیا کے اکثر ممالک میں عملاً بے دین، بے اصول، عیاش اور شراب خور طبقہ حکمران ہے۔ عورت کو آزادی دے کر ہر محفل کی زینت بنانے والا، حتیٰ کہ نعت بھی کوئی طوائف ہی گائے تو پسند آئے اور شاید آئندہ اگر پابندی نہ لگی تو سرکاری تقاریب میں تلاوت کلام پاک بھی مغنیہ عورتوں ہی سے کرائی جائے گی۔ ساری دنیا کے حکمرانوں کا ایک ہی کلچر ہے، کسی انٹرنیشنل فورم پر تصویر دیکھ کر پتا نہیں چلتا کہ کون کس مذہب اور ملک سے ہے، نام پڑھ کر پتا چلتا ہے۔ تہذیب، وضع قطع، لباس سب ایک ہے۔ مذہبی طبقات کو نظر انداز ہی نہیں کیا گیا نشانِ عبرت بنا دیا گیا ہے، جب کہ ملکی اور زمینی وسائل سب اسی طبقہ کے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں، جس کا ذکر اوپر ہو چکا اور یہی Protocols of the Elders of the Zions کا ایجنڈا ہے، جو کامیاب ہوا ہے۔

۳) بنی اسرائیل کی قومی نفسیات، عمرانی اور سیاسی نقطہ ہائے نظر اور قومی و نظریاتی اہداف

انسان مل جل کر رہنے کا عادی ہے، اس طرح ہر گروہ، علاقے، خطے اور ملک کی ایک اجتماعی نفسیات وجود میں آتی ہے، جس میں اس علاقے کے لوگوں کے مذہب، سوچ، تعلیم، نظریات وغیرہ کو بنیادی دخل ہوتا ہے۔ ہر دوسری قوم اور گروہ کی طرح بنی اسرائیل کی بھی ایک نفسیات ہے اور اس کی تقریباً ساڑھے تین ہزار سال کی تاریخ ہے۔ اسی اجتماعی نفسیات کا یہ اثر ہے کہ اصولی طور پر جب کسی قوم کو سکون، آزادی اور وسائل میسر آتے ہیں تو وہ وہی کچھ کرتی ہے جو اس نے سابقہ دَورِ عروج میں کیا تھا۔

مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اور اسلامی، تاریخی تجربات اور قیام مدینہ سے آج تک کے تعامل سے بنی اسرائیل کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں جو احساسات ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱) بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام (جو کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھتیجے تھے) کی اولاد ہیں اور ایک ہی نسل پر مشتمل ہیں، لہٰذا یہ کوئی دعوتی اور تبلیغی مذہب کے حامل نہیں ہیں۔

۲) یک نسلی مذہبی حیثیت کی وجہ سے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی وجہ سے بنی اسرائیل کو یہ شدید احساس ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت چہیتے اور خاص لوگ ہیں اور تمام انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔

۳) اس احساس کے نتیجے میں یہ نفسیات بنی ہے کہ ہم بخشے بخشائے لوگ ہیں اور قیامت کے دن ہمارا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا اور اگر ہوا بھی تو صرف قانونی کارروائی کے طور پر یا خانہ پُری کے لیے ہوگا، جنت تو ہمارا پیدائشی حق ہے۔

۴) اس احساس کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ تمام غیر یہودی لوگ، اقوام، قبیلے اور انسان کم تر ہیں اور بمقابلہ یہود کے inferior ہیں۔ مزید برآں گمراہ ہیں اور جہنم میں جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا۔

۵) مزید برآں اس احساس کی انتہا یہ ہے کہ تمام غیر یہودی لوگ (ظلم یہ ہے کہ بنی اسرائیل ایک نسل ہے اور دوسرے لوگ اس نسل میں آ ہی نہیں سکتے، لہٰذا) پیدائشی طور پر ہی گمراہ اور جہنمی ہیں۔ حتیٰ کہ غیر یہودی، انسان ہی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک غیر یہودی لوگ انسان نما حیوان ہیں جنھیں ان کی اصطلاح میں Goems یا Gentiles کہا جاتا ہے۔ گویا شرفِ انسانیت پر صرف یہودی فائز ہیں اور یوں تمام عالم پر حکومت ان کا حق ہے۔

۶) اسی احساس ہی کا ایک ثمر یہ ہے کہ یہودیت میں usury (سود) حرام ہے (عیسائیت اور اسلام میں بھی حرام ہے) اور یہودی آپس میں لین دین پر سود نہیں لیتے کہ یہ حرام ہے، جب کہ تمام غیر یہود اقوام سے سود لیتے ہیں، بلکہ تمام عالمی سودی ادارے اور بینک بالواسطہ یا بلاواسطہ یہود ہی کی ملکیت ہیں۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ انہیں انسان ہی نہیں سمجھتے۔

۷) ایک اور منطقی تقاضا اس شدتِ احساس کا یہ ہے کہ وہ آپس میں تورات کے احکامِ نکاح وطلاق کی پاس داری کرتے ہوں گے تاہم غیر یہودی لوگوں اور بالخصوص عورتوں کی عزت لوٹ لینا اور بدکاری و بے حیائی کا ارتکاب کرنا کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے وہ بے حیائی کو عام کرنا اور پھیلانا اور دوسری اقوام کو بے راہ کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا ثواب کا کام اور نیکی سمجھتے ہیں۔

۸) امریکہ میں خاص یہودی آبادیوں میں (اور شاید اسرائیلی یہودیوں میں بھی) ٹی وی نہیں رکھا جاتا کہ یہ گمراہی کا سبب ہے، جب کہ دوسری طرف یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے فحش رسالے، اخبار، چینلز، فلمیں (ہالی وڈ وغیرہ) ٹی وی، ریڈیو اور کمپیوٹر کی فحاشی کے اداروں کے مالک عام طور پر یہود ہی ہیں۔

۹) یہود کے نزدیک غیر یہودیوں کا حق دبالینا اور کھا جانا کوئی برائی نہیں، اس لیے کہ غیر یہودی حیوان ہیں۔

۱۰) تجارتی سطح پر شاید مغربی اقوام کی طرح یہود بھی Honesty is the best policy پر عمل درآمد کرتے ہوں مگر قومی واجتماعی سطح پر یہ سب اصول ایک طرف رکھے جاتے ہیں۔

۱۱) بنی اسرائیل کی طرف ہزاروں انبیاء علیہم السلام تشریف لائے، جن میں بہت سوں کو انہوں نے قتل کر دیا۔ تورات کے مطابق بھی انبیاء کا قتل کر دینا ان کا وتیرہ رہا ہے۔

۱۲) غیر یہودی لوگوں/اقوام اور بالخصوص مسلمانوں کو دھوکہ دینا، وعدہ خلافی کرنا، مکر جانا اور نقصان پہنچانا عام دنوں میں بھی ان کے مذہب کا ایک حصہ ہے (جب کہ ان کے کسی اجتماعی مقصد کو فائدہ مل رہا ہو)۔

۱۳) اپنے کاروباروں کو وسعت دے کر ملٹی نیشنل بنا دیا ہے اور دنیا کے بیشتر ممالک میں چھا گئے ہیں اور اب عام استعمال کی اشیاء تک انہی ملٹی نیشنلز ہی کے نام سے آ رہی ہیں۔ پانی (نیسلے وغیرہ)، چائے (لپٹن وغیرہ)، مشروبات (پیپسی، سیون اپ، فانٹا، مرنڈا وغیرہ)، بلیڈ (ٹریٹ وغیرہ)، صابن (لکس، لیور کے مصنوعات)، شیمپوز (سن سلک وغیرہ)، فون (نوکیا وغیرہ)، کمپیوٹر، ادویات حتیٰ کہ استعمال کی ہر چیز پر انہی ملٹی نیشنلز کا قبضہ ہے اور یہ اکثر و بیشتر یہود کی ملکیت ہیں اور ان کمپنیوں کا منافع دو سو فی صد سے پانچ سو فی صد تک ہے۔ انہی ملٹی نیشنلز میں ۵۰۰ کمپنیاں ایسی ہیں جو fortune کمپنیاں کہلاتی ہیں، جنہیں کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ ان کے کاروبار کا پھیلا ہوا اور وسیع الاطراف ہونا ہے۔ ان میں سے بھی اکثریت یہود کی ملکیت ہیں۔

۱۴) ملکی سطح پر فوجی خریداریاں ہوں یا پبلک سیکٹر کی، جہاں بھی کروڑوں اور اربوں کی بات ہو گی، ان کمپنیوں کا طریقہ کار اور سیلز مین شپ یہ ہے کہ خریداری کرنے والی ٹیم کو جو اکثر و بیشتر دو چار افراد پر مشتمل ہوتی ہے، شراب، عورت اور مالی طور پر رشوت کی پیش کشوں کے ذریعے مائل کرنا ہوتا ہے۔ وہ ان افراد کو kick backs اور over invoicing کے ذریعے لاکھوں کروڑوں روپے ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی عیاشی کراتے ہیں، اپنے ہاں کے نائٹ کلب دکھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے ہاں کے جو وفود سیاسی مذاکرات کے لیے مغربی ممالک جاتے ہیں ان کے معاملات بھی ان چیزوں سے خالی نہیں ہوتے۔ وہ سیاسی وفود ہوں یا کھیلوں کے سلسلے میں ٹیمیں اور ان کے مینیجرز، ان کو انہی ہتھکنڈوں کا سامنا رہتا ہے اور انسانی کمزوریوں اور ایمان کی کمی کے باعث اکثر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

۱۵) وہ رقم جو وہاں دنیا کے ترقی پذیر ممالک کے وفود کو ملتی ہے وہ اس نصیحت کے ساتھ ملک واپس نہیں لانے دیتے کہ تمہارے ملک کے عوام کو پتا چل جائے گا اور وہ تمہیں ماریں

گے (حالانکہ خود وہ ساری فائلیں بوقت ضرورت ہر ایک کے خلاف بطور lever استعمال کرتے رہتے ہیں) لہٰذا وہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں جمع کر دیتے ہیں کہ یہاں رقم محفوظ اور صیغۂ راز میں رہے گی اور (غالباً) کسی عیسائی اور نئے نام سے جمع ہوتی ہے تاکہ آسانی سے trace نہ ہو سکے، لہٰذا حقیقی ورثا کو بھی نہ مل سکے۔ (ان اکاؤنٹ ہولڈرز کو ایک گھڑی تحفہ میں ملتی ہے، جس میں اس کا نیا نام اور اکاؤنٹ نمبر درج ہوتا ہے۔ راجیو گاندھی کی بم دھماکے میں ہلاکت کے بعد اندرا گاندھی اس موقع پر یہی خصوصی گھڑی تلاش کرتی رہی تھیں) پاکستان میں بھی تنظیم الاخوان کے سربراہ جناب اکرم اعوان صاحب نے اپنے رسالہ ''المرشد'' میں لکھا تھا کہ ہمارے سابقہ وزیراعظم جناب محمد خان جونیجو صاحب بھی علاج کے لیے امریکہ گئے تو ہسپتال میں ایک مغربی نام سے داخل تھے (و اللّٰہ اعلم!)

۱۶) یہود ہی کے زیر اثر امریکہ اور کینیڈا نے اپنی نیشنلٹی دینے کے لیے ایک مالیاتی حد بھی مقرر کر رکھی ہے، جس کا اسی سے تعلق ہے اور اس کے تحت سال میں ہر گرین کارڈ ہولڈر کو امریکہ کا سفر کرنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا ہر سال اسی طرح کے لوگ جاتے ہیں، اپنے کھاتے سے سود کی رقم draw کرتے ہیں، امریکہ ہی میں خرچ کرتے ہیں اور واپس آجاتے ہیں۔ واپس آکر وہاں کے نائٹ کلبوں اور دیگر ناگفتہ بہ باتوں کا حسرت کے انداز میں تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۷) امریکہ میں جمہوریت کے اجراء کے ساتھ ہی یہود نے ایک طویل المیعاد منصوبہ اور شروع کیا تھا، وہ ہے: Order of Illuminatee یعنی دنیا بھر کے ذہین افراد کو مغرب بالخصوص امریکہ لا کر مغربی تعلیم دینا اور بعد میں ان کو واپس اپنے ملکوں میں بھیج کر حسب ضرورت وحسب لیاقت ان کی نگرانی کر کے ان کو اپنے اپنے ملکوں میں اہم عہدے دلانا، تاکہ عالمی سطح پر ہم ذہن قیادت سامنے آسکے۔ اس قیادت کو وہ کالج اور یونی ورسٹی کے دور میں بھی تعلیم سے دُور اور cafe,s اور عیاشی کے زیادہ قریب رکھتے ہیں اور سیاست میں لانے کے لیے یونین میں نمایاں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب نوبت بایں جارسید کہ تھرڈ ورلڈ میں کوئی جنرل یا سیاسی حکمران اقتدار میں آتا ہے تو دنیا بھر کے ملکوں کے فوجی جنرلز اور سیاسی حکمران ان کے مغربی یونی ورسٹیوں، اکیڈمیوں اور اداروں کے کلاس فیلوز ہوتے ہیں، جو انہیں پھر ہر طرح سے سپورٹ کرتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیمی قابلیت کے لیے جو لوگ جاتے ہیں، وہ ان ہتھکنڈوں میں کس طرح پھنستے ہیں اور کون پھنستا ہے اور کون اس جال سے بچ کر اور ایمان سلامت لے کر واپس آتا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مثلاً بیرسٹری کے بارے میں جو لوگ جاتے ہیں، وہاں کیا ہوتا ہے، وہی جانتے ہیں۔ تحریراً مجھے صرف چند اشارے مہاتما گاندھی کی خودنوشت سے ملے ہیں، مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ

بیرسٹری کا کورس کوئی تعلیمی کورس نہیں بلکہ تربیتی نوعیت کا ہے، انگریزی تہذیب، لباس پہننے، کھانوں اور محفلوں میں جانے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں، ماہانہ ایک شام ہوتی ہے جس میں شراب پینے، پلانے اور دیگر آداب سکھائے جاتے ہیں، ان سب محفلوں میں خاص لباس کی پابندی بہت ضروری ہے۔ یہ ۱۹۰۱ء کے قریب کی بات ہے، اب یہ brain drain کا معاملہ کہاں تک چلا گیا ہے، آپ اندازہ کر لیں۔

۱۸) عالمی تجارت پر قبضہ کے ساتھ ساتھ وہ اب زراعت کے میدان میں بھی قبضے کے لیے ڈورے ڈال رہے ہیں اور کافی حد تک کامیاب ہیں۔ عام آدمی اس طریقۂ واردات کو شاید ابھی تک اور کچھ اور سالوں تک سمجھ نہ سکے کہ یہود قوم زراعت پر اور وہ بھی عالمی سطح پر کیسے قبضہ کرے گی، مگر عملاً ایسا ہو چکا ہے۔ TRIPS کے نام سے ایک معاہدہ WTO کی طرح تمام زرعی ممالک سے ہو چکا ہے، جس کے تحت وہ ممالک آئندہ اس کے پابند ہوں گے۔ اس واردات میں یہود نے ہر چیز کے بیج hyberd seeds بنا دیے ہیں، جیسے عام روایتی مرغی اور فارمی مرغی ہے، روایتی مرغی انڈے دیتی ہے، اس سے پھر بچے نکل آتے ہیں، لیکن فارمی مرغی انڈے بے تحاشا دیتی ہے مگر آپ ان انڈوں سے بچے حاصل نہیں کر سکتے، چوزوں کے لیے دوبارہ کمپنیوں سے رجوع کرنا ہوگا، البتہ آپ یہ انڈے استعمال کر سکتے ہیں۔ پرانی مثالوں میں خچر کی مثال سامنے رکھیے، گھوڑے اور گدھے کی نسل ملا کر پہاڑی علاقوں کے لیے خچر پیدا کیے جاتے ہیں اور صدیوں سے ہو رہے ہیں۔ اس کے باقاعدہ breeding farms ہیں، اب خچر کی آگے اپنی نسل کشی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح بیجوں کی دنیا میں آپ روایتی بیج بوتے ہیں، جیسے گندم ہے۔ ہمارے کیا، دنیا بھر کے کسان صدیوں سے یہی کر رہے ہیں کہ گندم بوئی، جو فصل آئی، اس میں سے چند من بیج کے لیے رکھ کر کچھ گھریلو استعمال کے لیے علیحدہ کر کے باقی بیچ دی۔ مگر اب hyberd بیجوں کا مسئلہ آہستہ آہستہ یہ ہوگا کہ اس سے جو فصل ہوگی اس کے ذریعے آپ دوبارہ فصل نہیں کاشت کر سکتے، نئی فصل کے لیے آپ کو سیڈ کارپوریشنز کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور وہ آہستہ آہستہ سب ملٹی نیشنلز کے ہاتھوں میں چلی جائیں گی۔ اب اس میں انتظار اسی بات کا ہے کہ سابقہ روایتی بیج ختم ہو جائیں اور کسان کا مزاج نئے انداز میں ڈھل جائے تو یہود ساری فصل کا منافع بیج بیچ کر ہی کما لیں گے۔ باقی کسان اور زمیندار کی قسمت، فصل ہو یا نہ ہو، کس بھاؤ بکے، وہ اس کی بلا سے۔ ابھی بھی ہم انڈین آلو اور لہسن کو رو رہے ہیں مگر بھنڈی، تربوز، مولی، گاجر، شلجم اور حتیٰ کہ اجناس کے بیج بھی سب انڈیا سے ہی آ رہے ہیں، گویا ہماری مارکیٹ پر غیروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ یہود ساری دنیا کا زرعی شعبہ میں

یہی حال کرنے والے ہیں اوراس طرح وہ عالمی سطح پر اسرائیل کے غلبے کے لیے راہ ہموار کررہے ہیں۔

۱۹) یہود اور بنی اسرائیل کے منصوبوں میں ایک اہم منصوبہ عظیم تر اسرائیل کا قیام ہے جس کی حدود بقول ان کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کی اسرائیلی ریاست کی ہوں گی، جس میں مصر، مدینہ، اردن، عراق، کویت، شام، لبنان اور ترکی کا حصہ بھی شامل ہے۔ان کے منصوبے کے مطابق عنقریب یہ ریاست قائم ہوکر عالمی معاملات کو ملٹی نیشنلز کے ذریعے تجارتی، صنعتی اور زرعی طور پر کنٹرول کرے گی اور دیگر عوام بطور Goems اور Gentiles محنت مزدوری کر کے دو وقت کی روٹی حاصل کریں گے۔ساری بالائی اور lion's share یہود کو جائے گا اور باقی دنیا جانوروں کی طرح زندگی گزارے گی۔

۲۰) دوسرا اہم منصوبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ عبادت خانہ ہیکل سلیمانی (Temple of Soloman) کی تیسری مرتبہ تعمیر ہے، جو کہ ۷۰ء سے (۱۹۳۵ سال سے) گرا پڑا ہے اور اب تیسری مرتبہ تعمیر ہوگا۔اس کے نقشے تیار ہیں، رقم موجود ہے، اس کا سنگ بنیاد بھی امریکہ کے افغانستان پر حملے کے وقت ۵ راکتوبر ۲۰۰۱ء کو دنیا کو دھوکہ دے کر رکھ دیا گیا تھا، اس کی تعمیر ان کے لیے اہم بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، اسی عبادت گاہ کا وہ مقدس پتھر David Stone ہے جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے بیٹھ کر تاج پہنا تھا اور حکومت کرتے رہے تھے اور جو آج کل حکومت برطانیہ کے پاس امانت کے طور پر سنٹرل کیتھیڈرل میں موجود ہے اور برطانیہ کا ہر نیا بادشاہ (یا ملکہ) اسی پتھر پر بیٹھ کر حلف اٹھاتا ہے۔وہ پتھر لا کر یہاں اسرائیل میں نصب ہوگا تو یہود کے عقیدے (تورات کی پیشین گوئیوں) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔

یہ یاد رہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک اور تورات کی پیشین گوئیوں کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تشریف لائے تھے، مگر یہود نے نہ صرف انہیں مانا نہیں، بلکہ ان کو اپنے تئیں سولی چڑھا دیا، لہٰذا یہود کے عقیدے اور ذہن کے مطابق وہ نشست اور مقام ابھی خالی ہے، یعنی Situation Vacant ہے، لہٰذا اب وہ کسی کو نبی بنا کر اس مقام پر فائز کریں گے۔اہل سنت مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تھے مگر سولی چڑھانے کے وقت آسمان کی طرف زندہ اٹھا لیے گئے، جب کہ سولی کوئی اور شخص چڑھا دیا گیا، وہ زندہ ہیں اور یہود کی طرف سے کھڑے کیے گئے کرائسٹ کے مقابل آئیں گے۔مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل میں جو شخص ہوگا وہ اینٹی کرائسٹ ہوگا اور ''دجال'' کہلائے گا۔یہ شخص ہوگا جو یہود کے بقول اس مقدس پتھر پر بیٹھ کر آسمانی بادشاہت، اللہ کی حکمرانی یا تورات کے احکام کے نفاذ کا اعلان کرے گا

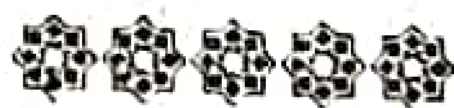
اوران کے مطابق اسرائیل کی ریاست کے معاملات چلائے گا۔اس topic پر ان کا بے حد وحساب لٹریچر ہے اور آج کمپیوٹر کی دنیا میں کرائسٹ اور اینٹی کرائسٹ نام سے سیکڑوں نہیں لاکھوں web sites ہیں، جن میں ان کا تذکرہ ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام ان کے نزدیک کتنا اہم ہے۔

(۲۱) ہماری طرف سے وہ یہ کام کریں، ہمیں اس سے کیا غرض؟----مگر کیا کریں، وہ تھرڈ ٹمپل جہاں جہاں بننا ہے وہاں مسجد اقصیٰ کھڑی ہے، مسجد خلیل ہے۔ مسجد اقصیٰ وہ جگہ ہے (یہ قبہ کبھی مسلمانوں نے بعد میں تعمیر کیا تھا) کہ یہاں سے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کو معراج حاصل ہوئی تھی، یہی وہ جگہ ہے جہاں براق کھڑا کیا گیا تھا اور تمام انبیاء کی امامت جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے کی۔دوسری اہمیت اس جگہ کی یہ ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد چند ہفتے یا چند ماہ حضرت محمد ﷺ اور تمام صحابہ ﷢ اسی بیت المقدس کی طرف (اُس وقت بھی ٹوٹا پڑا تھا) منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، حتیٰ کہ ایک دن نمازِ ظہر کے فرضوں کی ادائیگی کے دوران حکم آیا کہ آپ اپنا قبلہ بدل لیں اور اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف کر لیں۔اس واقعہ کی علامت کے طور پر مدینہ منورہ میں اب بھی حاجی حضرات اور عمرہ کرنے والے حضرات اُس مسجد کو جا کر دیکھتے اور زیارت کرتے ہیں جو مسجد قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہلاتی ہے۔اس مسجد میں دو محراب ہیں، ایک شمال کو مسجد اقصیٰ کی طرف اور دوسرا محراب جو تحویل کعبہ کے بعد استعمال میں ہے، جنوب کو خانہ کعبہ کی طرف ہے۔ (واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں قبلہ جنوب کی طرف ہے)

قارئین کرام! یہ ہیں مختصر ترین انداز میں کچھ معلومات جو اسرائیل اور بنی اسرائیل کے بارے میں پیش خدمت ہیں اور بالعموم ہر مسلمان اور بالخصوص پاکستانی مسلمانوں کے لیے ضروری ہیں اور ممبران پارلیمنٹ اور وفاقی وزراء و سیکرٹری حضرات کے لیے بھی از بر کرنے کی چیزیں ہیں، تا کہ صحیح سوچ کے ساتھ آگے بڑھا جا سکے اور جو فیصلہ بھی ہو علیٰ وجہ البصیرت ہو اور بعد میں پریشانی، پشیمانی اور کفِ افسوس ملنے کا سبب نہ بنے:

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں
اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے!

[بشکریہ ماہنامہ میثاق، لاہور]



وائے می

جاوید چودھری

سر میرا کیا قصور ہے؟" وائے می سر"؟---

اس نے منہ پر ہاتھ رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ کمرے کی فضا سوگوار ہوگئی، میں خاموش ہوگیا، اس کی کہانی میں دکھ اور ملال تھا، وہ مظفر آباد شہر کا رہنے والا تھا، وہ لوگ پچھلی تین نسلوں سے رئیس تھے، والد کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، وہ، تین بہنیں اور چار بھائی تھے، ۸ اکتوبر کو زلزلہ آیا اور اس کا سارا خاندان اس زلزلے کی نذر ہوگیا۔ والدین، بہن، بھائی، بھتیجے اور بھانجیاں سب فوت ہوگئے، دکانیں اور گھر، ملبے کا ڈھیر بن گئے، صرف وہ زندہ بچا، وہ پچھلے دو ماہ سے ایک امدادی کیمپ میں پڑا تھا، اس نے اپنی کہانی سنائی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اس کا کہنا تھا" سر میرا کیا قصور ہے، وائے می"---

میں نے اس سے کہا: "بخت زمان! تم نے آرتھر آشی کا نام سنا ہے؟"---

"اس نے آنکھیں پونچھیں اور انکار میں سر ہلا دیا۔ آرتھر آشی ایک وقت میں دنیا کا سب سے بڑا ٹینس پلیئر تھا، وہ ورجینیا کے مشہور قصبے رچمنڈ میں پیدا ہوا، وہ افریقی امریکن تھا، اس کی ماں، اس کا باپ دونوں کالے تھے، اس نے بچپن میں اتھلیٹ بننے کی کوشش کی، لیکن جسمانی کمزوری کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکا۔ چھ سال کی عمر میں اس کی والدہ کا انتقال ہوگیا، وہ اکیلا رہ گیا، جب تنہائی ستانے لگی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ دنیا میں کوئی ایسا کام کرے گا جو اس سے پہلے کسی کالے نے نہ

کیا ہو، اس نے ٹینس کھیلنا شروع کر دی، وہ کورٹ میں داخل ہوا تو اس نے کمال کر دیا، وہ ۱۹۶۳ء میں امریکہ کا سب بڑا ٹینس پلیئر تھا، حکومت نے اسے ڈیوس کپ کی ٹیم میں شامل کر لیا، وہ امریکہ کی قومی ٹیم کا پہلا کالا کھلاڑی تھا، وہ ڈیوس کپ جیت گیا، یہ ایک حیران کن کامیابی تھی۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں امریکہ کے اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینلز نے اسے اتنی کوریج دی کہ وہ ۱۹۶۹ء میں امریکہ کا سب سے زیادہ مشہور شخص تھا''۔

میں چند لمحوں کے لیے رک گیا، اس نے ٹشو سے منہ صاف کیا اور بڑے جوش سے بولا ''ویل ڈن، سر! یہ تو بڑی دل چسپ کہانی ہے''۔ میں مسکرایا ''نہیں اصل کہانی آگے آئے گی''۔ اس نے سر ہلا دیا، میں نے گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔

''۱۹۶۹ء میں جنوبی افریقہ میں ٹینس کا میچ تھا، آشی نے ساؤتھ افریقہ کے ویزے کے لیے درخواست دی، اس کی درخواست مسترد کر دی گئی، اس وقت جنوبی افریقہ میں گوروں کی حکومت تھی اور وہ کسی کالے کو ویزہ جاری نہیں کرتے تھے۔ آرتھر آشی کے لیے یہ زندگی کا دوسرا بڑا چیلنج تھا، اس نے ٹینس چھوڑ دی اور امریکہ میں کالوں کے حقوق کی جنگ شروع کر دی، وہ مشہور آدمی تھا، میڈیا اور عوام اس کے ساتھ تھے، اس نے اپنے چاہنے والوں کو اپنی فوج بنا لیا، یہاں تک کہ امریکہ اور اس کی حلیف طاقتیں کالوں کے حقوق تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئیں، ساؤتھ افریقہ کے سفارت خانے نے اسے ویزہ جاری کر دیا۔ یہ اس کی بہت بڑی کامیابی تھی''۔

میں سانس لینے کے لیے رکا، نوجوان ہلکا سا مسکرایا اور پر جوش آواز میں بولا ''سر! کمال ہے، یہ تو بہت بڑا شخص تھا''۔ میں ہنس کر کہا ''نہیں اصل کہانی ابھی آگے آئے گی''۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گیا، میں نے کہا:

''جب وہ ساؤتھ افریقہ کا ویزا لے کر نکلا تو کسی نے کہا، آشی نے ویزہ تو حاصل کر لیا لیکن وہ اب ٹینس نہیں کھیل سکے گا، اس شخص کا خیال تھا کہ جو شخص اتنے سال ٹینس کورٹ سے باہر رہا ہو، اس کے لیے دوبارہ نیشنل چمپئن بننا آسان نہیں ہوگا، اس شخص کی بات ٹھیک تھی، لیکن آشی ایک بار پھر کورٹ میں داخل ہوا، اس نے کھیلنا شروع کیا اور ۱۹۷۵ء میں اس نے ٹینس کی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ومبلڈن کپ جیت لیا۔ وہ یہ کپ لے کر باہر نکلا تو وہ ورلڈ سٹار تھا''۔

میں رکا، میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا، اس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور پھر ہموار آواز میں بولا، ''ویل ڈن سر! وہ تو کمال شخص تھا''۔ میں مسکرایا ''نہیں اصل کہانی ابھی آگے آئے گی''۔ وہ پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

''۱۹۸۰ء میں اسے دل کا دورہ پڑا، اسے ہارٹ سرجری کے لیے ہسپتال لے جایا گیا، وہاں اسے خون دیا گیا، اس خون میں ایچ آئی وی تھا، آرتھر آشی ہسپتال سے نکلا تو وہ ایڈز کا مریض بن چکا تھا۔ ہیرو، زیرو ہو گیا، وہ ۱۹۹۳ء تک پورے ۱۳ رسال اس مرض سے لڑتا رہا، دنیا کے ۳۴ کاروباری اداروں، ۵۵ بڑے ہسپتالوں اور دنیا کے ۴ ہزار ڈاکٹروں نے اس کی جان بچانے کی کوشش کی، لیکن دنیا کا سپر سٹار ۶ رفروری ۱۹۹۳ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا''۔

میں خاموش ہو گیا، نوجوان ایک بار پھر اداس ہو گیا۔ میں نے عرض کیا ''تم نے سوچا یہ کہانی ختم ہو گئی، لیکن اصل کہانی ابھی باقی ہے''۔

''جب آرتھر آشی ہسپتال میں آخری سانسیں لے رہا تھا تو اس کے ایک فین نے اسے ایک خط لکھا، اس خط میں اس نے آشی سے ایک عجیب سوال کیا، اس نے پوچھا، اس وقت دنیا میں ۵ رارب لوگ ہیں، قدرت نے ان ۵ رارب لوگوں میں سے صرف تمہیں اس موذی مرض کے لیے کیوں منتخب کیا؟ وائے یو۔ آرتھر آشی نے اس ''وائے یو'' کا کمال جواب دیا، یہ جواب ایک پورا فلسفہ ہے۔ میں زندگی میں جب بھی مایوس ہوتا ہوں، میں جب بھی خود کو بدنصیب محسوس کرتا ہوں، تو میں آشی کی وہ چند لائنیں نکال کر پڑھ لیتا ہوں، یقین کرو، میں ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہوں، میں خود کو دنیا کا خوش نصیب ترین شخص سمجھنے لگتا ہوں، آرتھر آشی نے اسے جواب دیا تھا:

''دنیا میں ہر سال ۵۰ کروڑ بچے ٹینس کھیلنا شروع کرتے ہیں، ان میں سے صرف ۵ کروڑ بچے یہ کھیل سیکھ پاتے ہیں، ان ۵ کروڑ بچوں میں سے صرف ۵ لاکھ نوجوان پروفیشنل ٹینس پلیئر بنتے ہیں، ان پانچ لاکھ نوجوانوں میں سے صرف ۵۰ ہزار کھیل کے سرکٹ میں داخل ہوتے ہیں، ان ۵۰ ہزار کھلاڑیوں میں سے صرف ۵۰ ومبلڈن کپ کھیلنے آتے ہیں، ان پچاس میں سے صرف ۴ سیمی فائنل تک پہنچتے ہیں، ان چار میں سے صرف ۲ فائنل کھیلتے ہیں اور ان دو میں سے صرف ایک شخص کو ومبلڈن کپ ملتا ہے اور میں دنیا کے ان ۵ رارب لوگوں میں ایک ہوں جسے ومبلڈن کپ ملا تھا، میں دنیا کے ان ۵۰ ہزار کھلاڑیوں میں سے واحد شخص ہوں جس نے ٹینس کھیلنا شروع کیا اور وہ ومبلڈن تک پہنچ گیا، میں نے زندگی میں ٹینس کے ۸۰۰ بڑے اعزاز حاصل کیے، یہ ریکارڈ ہے۔ میں جب بھی ٹرافی، کپ یا ایوارڈ لینے گیا، تو میں نے کبھی اپنے اللہ سے یہ نہیں پوچھا، اے اللہ تعالیٰ! تم نے پوری دنیا میں اس اعزاز کے لیے صرف مجھے ہی کیوں منتخب کیا، وائے می؟ آج میں تکلیف میں ہوں، مجھے درد ہوتا ہے اور میں

اللہ سے یہ پوچھنے لگتا ہوں، وائے می؟ تو مجھے اپنے وہ تمام اعزاز یاد آ جاتے ہیں اور میں سوچتا ہوں جب میں نے اپنی کامیابیوں پر اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا تھا ''اے گاڈ! وائے می؟'' تو مجھے آج اپنی تکلیف پر اس سے یہ سوال کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، جب میں نے اپنی کامیابیوں پر اس کا شکر ادا نہیں کیا، تو آج مجھے اپنی ناکامی پر اس سے کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہیے''---

میں خاموش ہو گیا، نوجوان کی آنکھوں میں روشنی اتر آئی، وہ بولا، سر! واقعی یہ زندگی کا ایک نیا زاویہ ہے، میں نے کبھی زندگی کو اس پہلو سے نہیں دیکھا۔ میں نے قہقہہ لگایا، نہیں! ابھی اصل کہانی آگے ہے۔ آرتھر آشی نے مرنے سے چند لمحے پہلے کہا تھا:

''اے دنیا کے لوگو! اللہ کو کبھی یہ نہ بتاؤ تمہاری مصیبت کتنی بڑی ہے، تم اپنی مصیبت کو یہ بتاؤ کہ تمہارا اللہ کتنا بڑا ہے، تم دکھ اور تکلیف سے رہائی پا جاؤ گے''---

[روزنامہ جنگ، لاہور]



وفیات

گزشتہ دنوں وابستگان دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:

مولانا محمد حسن نوری محب حضور، چک 46/5.L ساہیوال---

مولانا مفتی نذیر احمد نوری، صمد پورہ، اوکاڑا---

مولانا محمد اسلم نوری، جڑانوالا، فیصل آباد کی والدہ محترمہ---

قاری غلام صابر علی نوری، بستی سیدن سائیں دیپال پور کی والدہ---

ماسٹر محمد یٰسین، بصیر پور کے بھانجے ڈاکٹر محمد سرور نسیم، ایم ایس جناح ہسپتال، لاہور---

محمد اسحاق نوری کلاسن، اے جی آفس لاہور کے جواں سال بیٹے حافظ محمد سلمان---اور

مولوی شہزاد حسین متعلم دار العلوم کے والد مولوی بشیر احمد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للہ و انا الیہ رٰجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ اجمعین



سانحہ نشتر پارک، جیسا میں نے دیکھا

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی

'جماعت اہلِ سنت' (پاکستان) میرے والد گرامی حضرت خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پچاس برس پہلے 1956ء میں قائم کی، اس تنظیم کی ابتدا کراچی شہر سے ہوئی۔ ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ ان دنوں کراچی شہر کی سب سے بڑی اور نئی تعمیر شدہ نیو میمن مسجد، بندر روڈ (ایم اے جناح روڈ) کے خطیب و امام تھے۔ انہوں نے کراچی شہر میں اہلِ سنت و جماعت کی طرف سے مجالس عشرۂ محرم کے انعقاد کے ساتھ ساتھ عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس کا بھی سلسلہ شروع کیا۔ انجمن مسلمانانِ پنجاب کے جلوس کے ساتھ شامل ہو کر یہ جلوس آرام باغ میں اختتام پذیر ہوتا۔ یہاں جلسہ میں میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کے سوا کسی سُنّی عالم کو خطاب کا موقع نہ دیا جاتا اور کوئی 'سرکاری' مہمان ضرور ہوتا۔ 1970ء میں جماعت اہل سنت کے امیر و صدر کی حیثیت سے ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ نے اعلان کیا کہ جماعت اہل سنت کا سالانہ جلوس نیو میمن مسجد سے نشتر پارک تک پیدل مسافت طے کرے گا اور وہیں مرکزی اجتماع ہوا کرے گا۔

حضرت والد گرامی علیہ الرحمہ کے علاوہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، مولانا محمد حسن حقانی، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا محمد وسایا الخطیب، صوفی محمد ایاز خان نیازی، شاہ فرید الحق، ظہور الحسن بھوپالی اور متعدد علماء و مشائخ و دیگر شخصیات ہر سال اس جلوس کی قیادت کرتیں۔ ظہر سے عصر تک جلوس کا دورانیہ ہوتا اور عصر تا مغرب نشتر پارک میں جلسہ ہوتا۔ اس دن کے لیے کبھی قیام امن کی اپیل کی جاتی، نہ ہی پولیس یا انتظامیہ سے نگرانی و تعاون چاہا جاتا، ہر سال ماہِ محرم میں یوم عاشورا کے حوالے سے ضرور یہ اعلان ہوتا کہ امن قائم رکھا جائے۔ گزشتہ چند برسوں

سے عالمی دہشت گردی اور تخریب کاری کے مسلسل نمایاں واقعات کی وجہ سے ہر تیوہار پر یہ خدشہ ظاہر کیا جانے لگا کہ شرپسند عناصر ایسے مواقع پر بھی شرانگیزی کر سکتے ہیں، لہٰذا انسانی جانوں اور املاک کے تحفظ کے لیے ضروری انتظام کیے جائیں۔ دیکھا گیا کہ گزشتہ پانچ برسوں میں بھی عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر کوئی خاص حفاظتی انتظام نہیں ہوئے۔ شاید اس خیال سے کہ ہر گلی، ہر محلے میں سچے مسلمان اس موقع پر میلاد شریف مناتے ہیں تو کسی تخریب کاری کا کیا گمان!

اس سال ڈین مارک میں فلیمنگ روز اور اس کے ساتھی شیطانوں نے مذموم کارٹون شائع کر کے وہ دہشت گردی کی کہ دنیا بھر میں غم و غصہ ظاہر ہوا۔ کراچی کے شہری و صوبائی حکمرانوں کو باور کرایا گیا تھا کہ تخریب کار دیکھ چکے ہیں کہ تحفظ ناموس رسالت (ﷺ) کی ریلی کتنی پُرامن اور کامیاب رہی ہے اور لوگ اس سال اپنے نبی پاک ﷺ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کچھ زیادہ جوش و جذبے سے کریں گے، اس لیے حفاظتی انتظامات میں کسی طرح غفلت نہ برتی جائے۔ 9 ربیع الاوّل 1427ھ کو دعوتِ اسلامی کے مرکز فیضانِ مدینہ کراچی میں خواتین کے اجتماع کے اختتام پر بدنظمی کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی اور تیس سے زائد خواتین جاں بحق ہو گئیں۔ اس سانحے کو کسی سازش کا نتیجہ قرار دینے کی کوشش نہیں کی گئی، لیکن اس سانحے پر سبھی کو صدمہ تھا اور لوگ مغموم تھے۔ 12 ربیع الاوّل 1427ھ / گیارہ اپریل دو ہزار چھ کو جماعت اہل سنت اور متعدد سنی تنظیموں کا سالانہ مرکزی جلوس علمائے اہل سنت اور جماعت اہل سنت کراچی کے امیر حضرت مولانا سید شاہ تراب الحق قادری کی قیادت میں نیو میمن مسجد سے نشتر پارک روانہ ہوا۔ مختلف علاقوں سے چھوٹے بڑے کتنے ہی پاپیادہ افراد کے جلوس اور سواریوں کے قافلے اس میں شامل ہوتے رہے اور سبھی نشتر پارک کی طرف رواں دواں تھے۔ نشتر پارک کے قریب 'پرانی نمائش چورنگی' کو مولانا شاہ احمد نورانی کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے، اس چورنگی کے اطراف یکم ربیع الاوّل ہی سے متعدد اسٹالز لگ جاتے ہیں، جلوس کی آمد پر ان اسٹالوں پر جمع ہجوم کی وجہ سے جلوس کی روانی میں فرق آ جاتا ہے اور اس سال اسی باعث تقریباً نصف گھنٹے کی تاخیر سے جلوس نشتر پارک پہنچا۔ یہاں لوہے کے پائپس سے بنا ہوا اسٹیج خاصا بڑا اور مضبوط تھا، اس پر لکڑی کے تختے بچھے تھے، گزشتہ شب اسی اسٹیج پر نعت خوانی ہوتی رہی تھی۔ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد مولانا سید شاہ تراب الحق صاحب قادری اسی اسٹیج پر خود مائک پر آئے اور مختصر خطاب کیا، ان کا خطاب جاری تھا کہ نماز مغرب کی اذان شروع ہو گئی۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ جائیں نہیں، کیوں کہ نماز کے بعد جلسہ ہو گا۔ اتنا کہہ کے وہ اسٹیج سے نیچے حاضرین میں نماز کی امامت کے لیے چلے گئے، جناب حاجی محمد حنیف طیب بھی اسٹیج سے اتر گئے۔

اسٹیج پر موجود افراد وہیں با جماعت نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اسٹیج پر اس سال مولانا سید عبدالوہاب اکرم قادری نے امامت کروائی اور نماز کے بعد مختصر دعا کی۔ اسٹیج پر موجود افراد سنتوں کی ادائی کے لیے کھڑے ہوئے۔ مَیں ابھی اپنی جگہ بیٹھا کچھ وِرد کر رہا تھا کہ اسٹیج سے کچھ فاصلے پر بہت شدید دھما کا ہوا، جو ساعت پر بہت بھاری گزرا، میں نے لوگوں کو گرتے اور بھاگتے دیکھا۔ میں نے پوچھا، کیا ہوا ہے؟ میرے ایک عقیدت مند نے مجھے اٹھایا اور کہا کہ بم پھٹا ہے، یہاں سے چلیے، اس نے میرا بازو تھاما تو میرے کُرتے کی آستین خون سے رنگین تھی، اس نے بتایا کہ کُرتے کی پشت بھی خون سے بھری ہوئی ہے، مجھے دائیں کندھے پر کچھ گرمی سی محسوس ہوئی، اسٹیج پر متعدد لوگ بے سُدھ گرے ہوئے تھے، میرا سانس گھٹ رہا تھا اور میرا سینہ جکڑ گیا تھا، میری آواز بالکل خشک ہوتی جا رہی تھی۔

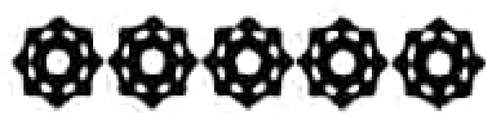
اسٹیج سے مجھے اتارا گیا تو وہاں موجود لوگ میرے گرد آئے، انہوں نے میرا خون بہتا دیکھا تو بغیر تاخیر کے مجھے میری ہی گاڑی میں ہسپتال لے چلے۔

زندگی میں یہ سانحہ پہلی مرتبہ بچشم خود دیکھا تھا، مجھے اندازہ ہوا کہ اچانک بہت سے لوگ بم دھما کے میں کیوں جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ بم پھٹتے ہی بارود کے ساتھ جو گیس نکلتی ہے وہ نظام تنفس کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہے اور دل اور پھیپھڑوں پر فوری اس کا اثر ہوتا ہے اور جانے کتنے اسی باعث دم توڑ دیتے ہیں۔ راستے بھر میں دُرود و سلام کا وِرد کرتا رہا، موبائل فون بجنے لگا، لوگ مجھ سے میری خیریت پوچھ رہے تھے۔ ہسپتال پہنچے تو مجھے خون میں لت پت دیکھ کر لوگ گھبرا گئے۔ ڈیوٹی ڈاکٹروں نے مجھے آکسیجن ماسک پہنایا، انجکشن لگائے اور خون بند کرنے کے جتن کرنے لگے۔ نصف گھنٹے بعد میرا سانس بحال ہو گیا، اس دوران لیاقت نیشنل ہسپتال میں متعدد زخمی لائے جا چکے تھے اور وہاں پہنچنے والے کارکن بہت ہی گھبرائے ہوئے اور کچھ مشتعل تھے، ہر ایک کا مطالبہ فوری طبی امداد کا تھا۔ میں نے آواز ٹھیک ہوتے ہی حضرت مولانا شاہ تراب الحق قادری کی خیریت معلوم کی، مجھے بتایا گیا کہ وہ ٹھیک ہیں البتہ اسٹیج پر میرے دائیں، بائیں اور آگے، پیچھے بیٹھے افراد میں سے اکثر شدید زخمی ہیں اور سنّی تحریک کے تینوں نمایاں قائدین کی حالت نازک ہے۔ ایمرجنسی وارڈ میں عجیب سماں تھا، مولانا سید مظفر حسین شاہ روتے ہوئے آئے، وہ کہہ رہے تھے، یہ کیا ہو گیا؟ میرے بھائی کو جانے کس نے خبر کر دی تھی، وہ بھی پہنچ گئے، اس وقت میری حالت خاصی سنبھل چکی تھی۔ ایکسرے کیا جا چکا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ کوئی چھرے جسم میں تو نہیں رہ گئے، خون کا بہاؤ روکنے کے لیے طبیب مشغول تھے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ بارود میں بھرے یہ چھرے بہت زیادہ رفتار سے پھیلے اور جسموں کے آر پار ہو گئے۔

یہ کیا...... میں تو اپنا ہی احوال لکھتا جا رہا ہوں، مجھے خبر ملی کہ حافظ محمد تقی، حاجی حنیف بلو، مولانا مختار احمد خاں، سید فرید الحسنین اور عبدالقدیر عباسی شہید ہو چکے ہیں۔ سنی تحریک کے تینوں قائدین محمد عباس قادریؒ، افتخار احمد بھٹی اور مولانا محمد اکرم قادری کی شہادت کی خبر دیر سے دی گئی۔ شہر میں ساری فضا سوگ وار ہو گئی تھی، سنا گیا کہ بعض جگہوں پر جلاؤ، پتھراؤ کی وارداتیں بھی ہوئیں۔ ٹی وی کے مختلف چینلو سے نشتر پارک کے مناظر دکھائے جا رہے تھے، یہ کیسی رات چھا گئی تھی؟ انتظامیہ کو ایک 'سر' ملا تھا، اس کی بنیاد پر تحقیقات سے پہلے ہی انہوں نے اسے خودکش حملہ ٹھہرا دیا اور اسے دہشت گردی قرار دیا۔ پاکستان کی تاریخ میں عید میلاد النبی ﷺ کے دن ایسا بدترین سانحہ رونما ہوا۔ دُرود و سلام پڑھنے، اپنے پیارے نبی کا پیارا نام چومنے والے، پُر امن لوگوں پر یہ ستم کس نے ڈھایا؟ پُر امن رہنے والے صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت کس کس کو کھٹکنے لگے ہیں؟ ان 57 شہداء کا ناحق خون کیوں بہایا گیا؟ کیا دشمنی تھی ان سے؟ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں خاتم النبیین ﷺ کے دیوانے کسے کھٹک رہے ہیں؟ کیا ایسی مذموم سازشوں سے یہاں کے مسلمانوں کو خوف زدہ کیا جا سکے گا؟ کیا اس ملک میں دہشت گردی سے اسلام اور مسلمانوں کو دبایا جا سکے گا؟ اس ملک کو اپنی مذموم سازشوں کا ہدف بنانے والے ضرور بے نقاب ہوں گے، ان کی سازشیں خود ان پر لوٹ جائیں گی، وہ شاید نہیں جانتے کہ شہیدوں کا خون ضرور رنگ لاتا ہے۔

یہاں دو ٹی وی چینلو نے میرا نام بھی شہداء کی فہرست میں لکھ دیا، ملک بھر میں میرے شہید ہو جانے کی افواہ نے لوگوں کو کتنا پریشان کیا، اس کا اندازہ ان ہزاروں فون کالز سے ہوا جو اس رات میرے گھر اور جامع مسجد گلزارِ حبیب میں مسلسل آتی رہیں۔ ذمہ دار لوگوں کے رابطہ کرنے پر رات کے تیسرے پہر انہی چینلو سے یہ بتایا گیا کہ میں زخمی ہوا ہوں، مگر زندہ ہوں۔ ہفتہ بھر دنیا بھر سے لوگوں نے محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے مزاج پُرسی کی اور میرے لیے جو دعائیں کیں مجھے اندازہ ہوا کہ میرے نبی پاک ﷺ کا مبارک ذکر کرنے کی کتنی برکات ہیں۔ اللہ کریم ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، میں ان سب کا شکرگزار ہوں اور سبھی سے دعاؤں کا طالب ہوں۔

تین دن کراچی میں ان شہداء کے جنازے ہوئے اور ہر جنازے میں لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوئے، سنی تحریک کے قائدین کے جنازے کا ہجوم سب سے زیادہ تھا۔ اس سانحے کی تحقیقات کا چرچا بہت ہے، اللہ کرے کہ مجرموں کی نہ صرف صحیح شناخت ہو بلکہ وہ کیفرِ کردار کو بھی پہنچائے جائیں اور دنیا جان لے کہ مسلمان ہرگز دہشت گرد نہیں، بلکہ دہشت گردی کا نشانہ ہیں۔



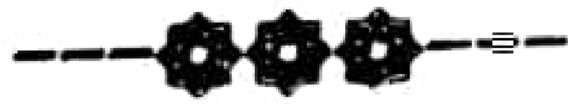
سانحۂ نشتر پارک

۱۱؍اپریل ۲۰۰۶ء

اشک ہائے پُرخوں

دریغا کہ یہ وقت بھی آ گیا ہے — نہ برسائے کیوں اشکِ خوں چشمِ ملت
رسولِ جہاں ، رحمتِ عالمیں کا — مبارک ، مقدس تھا یومِ ولادت
سجائے تھے بزمِ ثنائے محمد ﷺ — محبانِ سرکار ، عشاقِ حضرت
درودوں ، سلاموں کے نغمے لبوں پر — زبانوں سے جھڑتے تھے گل ہائے مدحت
بیادِ حبیبِ خدا ﷺ منہمک تھے — بہ فرطِ مسرت ، بہ ذوقِ عقیدت
صف آرا تھے جب بارگاہِ خدا میں — برائے ادائے نماز ، اہلِ سنت
اچانک ہوا جان لیوا دھماکہ — شہید ہو گئے کتنے پاکانِ امت
کراچی نے دیکھا قیامت کا منظر — جو ہے قریۂ نعتِ شاہِ رسالت
یہ تھا یومِ میلاد خیر الوریٰ ﷺ کا — کل انسانیت کے لیے جو ہیں رحمت
یہ اقدام اعدائے دین و وطن کا — بلا شبہہ ہے قابلِ صد مذمت
انھیں منظرِ عام پر لائے گا کون؟ — جنھوں نے یہ کی ہے بلا خیز حرکت
وہ ہے کون سا ٹولہ بد باطنوں کا — وہ ہے کون سی ظالموں کی جماعت

تمہارا بھی ہے منصبی فرض کوئی — کہو کچھ تو اے صاحبانِ حکومت!
کوئی اس شقاوت کی ہے انتہا بھی — زباں کھولو اے حاکمانِ ریاست!
یہی خوئے نظمِ محکم ہے شاید — یہی ہے مگر حسنِ طرزِ حکومت
گر اس بار بھی تم نے پکڑے نہ مجرم — دکھائی نہ تم نے اگر اب بھی جرأت
یہ سمجھے گا ہر حق پرست اس وطن کا — کہ حاصل تھی ان کو تمہاری حمایت
مناصب کا ہے کر و فر چند روزہ — ہو تم اور فانی تمہاری وجاہت
کبھی سوچا کیا حال ہو گا تمہارا — بروزِ جزا پیشِ سلطانِ امت



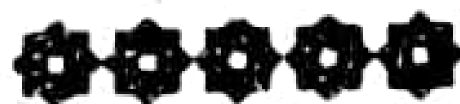
یہ ہے دل شکن سانحہ روح فرسا — بنا رنج و غم کا ہدف قلبِ ملت
شہیدوں کے اونچے مدارج ہوں یا رب! — الٰہی! مقام ان کا ہو باغِ جنت
یہ تیرے، یہ تیرے نبی کے تھے شیدا — قبور ان کی ہوں اور ترا ابرِ رحمت
عطا کر قبول ان کی قربانیوں کو — ہے بہرِ علوئے حق ان کی شہادت

شہادت کا سال از سرِ 'آہ' طارق
ا
کہا ہے وہ 'سب خیر خواہانِ ملت'
۱ + ۲۰۰۵ء = ۲۰۰۶ء

رقم اس کی تاریخ دیگر بھی کی ہے
"مبارک ہو رنگیں قبائے شہادت"
۱۴۲۷ھ

کہی اور بھی ایک تاریخ طارق
زہے حسن و 'اوجِ بہشت شہادت'
۱۴۲۷ھ

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری



کچھ
بیاں
اپنا

سانحہ نشتر پارک

کراچی کے تاریخی نشتر پارک میں ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ/۱۱ اپریل ۲۰۰۶ء کی شام قیامت گزر گئی۔ کراچی ہی نہیں پاکستان کی تاریخ میں --- پاکستان ہی نہیں، عالم اسلام کی تاریخ میں --- پہلی بار یہ سانحہ رونما ہوا کہ محبت و رحمت اور امن و سلامتی کی نوید لے کر طلوع ہونے والے عید میلاد النبی ﷺ کے روزِ سعید عید میلاد ہی کے روحانی اجتماع میں بم دھماکے کے نتیجہ میں ساٹھ افراد شہید ہو گئے، جس میں اہل سنت و جماعت کے نامور علماء اور سنی تحریک کے مرکزی قائدین شامل ہیں---

کوئی مسلمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ نبی رحمت ﷺ کے یوم ولادت باسعادت پر ایسی شرانگیزی ہوگی، جس کی سنگینی سے انسانیت منہ چھپائے گی---

عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر یہ سانحہ اس لحاظ سے بھی تشویش ناک اور اندوہ ناک تھا کہ کراچی میں اتوار ۱۰ ربیع الاوّل کو فیضانِ مدینہ کے خواتین کے اجتماع میں بھگدڑ سے ۳۰ خواتین جاں بحق ہو گئی تھیں--- اس واقعہ کے بعد عوام کے آنسو خشک ہونے نہیں پائے تھے کہ ۴۸ گھنٹوں کے اندر نشتر پارک کا سانحہ ہو گیا، جس نے عوام اہل سنت کو اپنے کئی اہم اور متحرک قائدین سے محروم کر دیا--- جناب مولانا عباس قادری، جناب افتخار بھٹی، جناب اکرم قادری، جناب حافظ محمد تقی، جناب حاجی حنیف بلو، جناب سید فرید الحسنین اور جناب مولانا افتخار احمد خاں سمیت کم و بیش ساٹھ افراد شہید ہو گئے--- یہ سب شمع رسالت ﷺ کے سچے پروانے تھے، جو ۱۲ ربیع الاوّل کی مبارک ساعت کو

قربان ہو گئے---﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن﴾

اللہ تعالیٰ ﷻ اس سانحہ میں شہید ہونے والے جملہ اہل محبت کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، زخمیوں کو صحت یاب کرے، متاثرین وغم زدہ افراد کے زخمی دلوں کو اپنی رحمت کے مرہم سے مندمل فرمائے اور انھیں اس عظیم صدمے اور نقصان کو برداشت کرنے کی ہمت اور توفیق بخشے---

حکومت وقت کی وفاقی اور صوبائی سطح پر تحقیقاتی ٹیمیں بنیں گی، مگر جام شہادت نوش کرنے والی عظیم ہستیاں واپس نہیں آسکیں گی---اس سانحہ پر کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ہو---سنی تحریک، جماعت اہل سنت اور جمعیت علمائے پاکستان کی قد آور اور مقبول شخصیتیں آنِ واحد میں رخصت ہو گئیں---

عوام یقینی طور پر اس سانحہ پر غم وغصہ کے جذبات ہیں، ان کا ردعمل فطری ہے، اس سانحہ نے ہر دل دردمند کو ہلا کر رکھ دیا---کراچی کے سانحہ نے پورے ملک میں سوگ کی کیفیت پیدا کر دی ہے---سانحہ نشتر پارک کو تادم تحریر اٹھارہ روز گزر گئے، پولیس اور تفتیشی ادارے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں---عام شہری اور علماء اہل سنت تحقیقات سے مطمئن نہیں اور عوامی سطح پر یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اس سانحہ کی انکوائری کو بھی آخر کار 'فائل' کر دیا جائے گا---

اتنے بڑے پیمانے پر ہونے والی 'قیامت صغریٰ' سے سیکیورٹی کے حکام اور خبر رساں ایجنسیاں بھی پوری طرح بری الذمہ قرار نہیں دی جاسکتیں---یہ سانحہ یقیناً سیکیورٹی کے نظام کی بہت بڑی ناکامی کا مظہر ہے---جیسا کہ شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ واردات کے لیے غیر معمولی طاقت کا بارود استعمال ہوا ہے---اتنے بھاری دھماکا خیز مواد کو ایک بڑے مجمع میں لے کر آنا کوئی آسان کام نہیں تھا اور نہ یہ سارا عمل خفیہ طریقے سے کیا جا سکتا تھا، اس لیے ضروری ہے کہ سیکیورٹی کے حوالے سے امکانی فروگزاشتوں اور غفلتوں کا پورے طور پر جائزہ لیا جائے اور غفلت کا مظاہرہ کرنے والے اہل کاروں کو بھی قرار واقعی سزا دی جائے---

عید میلاد کا یہ اجتماع کوئی غیر متوقع نہیں تھا کہ اس کی حفاظت کے لیے تیاری ممکن نہ ہو---بلکہ اس بار شیطانی خاکوں کے خلاف عوامی ردعمل کے پیش نظر عید میلاد ﷺ کے اجتماعات بھرپور ہونے کی توقع تھی---انتظامیہ کا فرض تھا کہ وہ اجتماع کے منتظمین کے ساتھ رابطے میں رہتی اور انتظامات بہتر بنانے میں مدد دیتی---

عام شہری اس بات پر سخت اشتعال میں تھے کہ کراچی میں کرکٹ میچ کے لیے سیکیورٹی کے اس قدر فول پروف انتظامات کیے جاتے ہیں کہ کوئی ناخوش گوار واقعہ نہ ہو---اس لحاظ سے

عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر سیکیورٹی کے مکمل انتظامات کرنا چاہیے تھے، صرف اتنی بات کافی نہیں کہ دھما کا خودکش بم بار نے کیا---

حکام یہ دعویٰ کر کے کہ خودکش بم دھما کا تھا، اپنی ذمہ داری سے کسی طرح بری الذمہ نہیں ہو سکتے --- دھما کا خودکش تھا یا نہیں تھا، اس کی روک تھام ضروری تھی --- اس مقصد کے لیے سخت ترین انتظامات کی ضرورت تھی ---

عید میلاد النبی ﷺ کی مبارک و مسعود تقریب میں بم دھماکے کی جس قدر بھی مذمت کی جائے، کم ہے --- اس سانحہ نے عروس البلاد کراچی کی مانگ میں مزید لہو بھر دیا، جو ایک عرصہ سے اس کا مقدر بنا ہوا ہے --- جانے کب یہ شہر خوف و ہراس اور دہشت و وحشت کے بجائے پھر سے امن و آشتی اور روشنیوں کا شہر بنے گا ---

ربیع الاوّل شریف کی تقریبات کے سلسلے میں اگرچہ بعض مخصوص حلقے اپنے منفی فتوے صادر کرتے رہتے ہیں، مگر حکومتی اور عوامی سطح پر یہ جشن کبھی متنازعہ نہیں رہا اور ہمیشہ ملک کی بھاری اکثریت، شمع رسالت کے پروانے، بڑے شایانِ شان طریقے سے اسے منعقد کرتے چلے آئے ہیں اور اس موقع پر اشتعال یا شر انگیزی پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی --- ویسے بھی اہل سنت و جماعت انتہائی امن پسند لوگ ہیں، انھوں نے کبھی تخریبی کارروائیوں میں حصہ لیا، نہ ملک و قوم کے لیے الجھن پیدا کی ہے ---

ان کے اکابر نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا تھا، اس لیے اہل سنت ہمیشہ استحکام پاکستان کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اس سلسلے میں ہمیشہ مثبت اور ذمہ دارانہ کردار کا مظاہرہ کیا ہے --- ایسے پرامن لوگوں کے اجتماع عشق و محبت میں کہ جس کا تعلق نبی رحمت، محسن انسانیت، داعی امن ﷺ کے میلاد کے ساتھ تھا، میں بم دھما کا اسلام دشمنی اور ملک کے امن و امان کو تہ و بالا کرنے کی سازش ہی قرار دیا جا سکتا ہے ---

یہ بات انتہائی تشویش ناک ہے کہ اٹھارہ دن گزر جانے کے باوجود ابھی تک سانحہ نشتر پارک کی تحقیقات میں پیش رفت نہیں ہوئی، محض کمیٹیاں بنانے سے معاملہ حل نہیں ہوگا --- گزشتہ کئی برسوں سے کراچی قتل گاہ بنا ہوا ہے، لیکن قانون کا آہنی پنجہ کسی کی گردن نہیں دبوچ سکا --- اب کے اتنے بڑے سانحہ کے بعد بھی مجرموں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا گیا تو پھر آئندہ بدامنی کی روک تھام کی کوئی کوشش بار آور ثابت نہ ہو سکے گی ---

حکومت کو چاہیے کہ وہ روایتی انداز سے ہٹ کر جلد از جلد اس سانحہ کا کھوج لگائے اور

مجرموں کونشان عبرت بنانے کا اہتمام کرے، ورنہ اسے ایجنسیوں کی کارروائی اور امن عامہ تباہ کرنے کی منظم سازش ہی سمجھا جائے گا---

اتحاد اہل سنت--- وقت کی اہم ضرورت

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلکی واعتقادی حوالے سے ملک کی غالب اکثریت کا تعلق اہل سنت وجماعت سے ہے، بایں ہمہ اہل سنت ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح منتشر ہیں اور ان کی صفوں میں اتحاد و یگانگت کا فقدان ہے--- اسی انتشار اور تنظیمی فقدان کی وجہ سے کچھ نادیدہ ہاتھ اہل سنت کو نقصان پہنچانے اور انھیں ختم کرنے کے حربے اختیار کر رہے ہیں--- ۱۴ر فروری کو لاہور میں بعض شرپسند عناصر کی پرتشدد کارروائی کی آڑ میں اہل سنت کے امن پسند علماء، طلبہ اور کارکنوں کو گوناگوں مقدمات میں جکڑا گیا، جسے وہ اب تک بھگت رہے ہیں--- اس کے دو ہی ماہ بعد 'نادیدہ وخفیہ' ہاتھوں کے ذریعے نشتر پارک کراچی میں اہل سنت کے ممتاز علماء اور کارکنوں کے علاوہ سنی تحریک کے اہم قائدین کو شہید کیا گیا---

اگرچہ کچھ حلقے ۱۴ر فروری لاہور کے تحفظ ناموس رسالت کے جلوس میں کی گئی تخریب کاری اور ۱۱ر اپریل کو نشتر پارک کراچی کے جلسہ میلاد النبی ﷺ کی دہشت گردانہ اور سفاکانہ واردات کو واضح دلائل کے ساتھ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں اور مذہبی سرگرمیوں کو آئندہ محدود کر دینے کی سازش قرار دیتے ہیں، تاہم اصلیت جو بھی ہو یہ تشویش ناک حالات عوام اہل سنت کے لیے بالعموم اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے قائدین کے لیے بالخصوص لمحہ فکریہ ہیں--- نزاکت حالات کا تقاضا ہے کہ تمام چھوٹی بڑی تنظیمیں، جو کہ دراصل چند شخصیات کی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی بے جا خواہشات کا نتیجہ ہیں، انھیں چاہیے کہ وسعت ظرف ونظر سے کام لیتے ہوئے اپنی انانیت کے خول سے باہر نکل کر باہمی اتحاد واتفاق اور محبت ویگانگت سے کام لیں، بصورت دیگر:

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

سرورق کے بارے میں

یہود ونصاریٰ شروع سے ہی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف سازشوں میں مصروف

رہے ہیں--- حالیہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے بعد یہ حقیقت ایک بار کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ ملت اسلامیہ کے دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے ---

ان خاکوں کے ردعمل کے طور پر پوری دنیا کے مسلمانوں نے غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زبردست احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کیا، جس سے اہل مغرب پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں، لیکن اپنے رسول ﷺ کی توہین کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتے ---

اہانت آمیز خاکوں کے خلاف پوری دنیا کے مسلمانوں نے اپنے اپنے انداز میں احتجاج کیا، دیگر ممالک کی طرح عالم عرب میں بھی شدید احتجاجی مظاہرے ہوئے، جلوسوں میں بینرز کے علاوہ لوگوں نے اپنی گاڑیوں، گھروں اور دکانوں پر بھی سٹکرز اور کتبے لگائے، جن میں درج ذیل نعرے بطور خاص مقبول ہوئے:

بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ---

''یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان''---

کُلُّنَا فِدَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ---

''یارسول اللہ! ہم سب آپ پر فدا''---

اَحْبَبْنَاکَ وَ آمَنَّا بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ---

''یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ سے محبت کرتے ہیں''---

اَلرَّسُوْلُ قُدْوَتُنَا---

''رسول اللہ ہمارے قائد و رہنما ہیں''---

شَلَّتْ یَدُ مَنْ یُّسِیْءُ اِلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ---

''یارسول اللہ! جو آپ سے سوئے ادبی کا مرتکب ہو، اس کا ہاتھ شل (ناکارہ) ہو جائے''---

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ---

''یقیناً آپ کا دشمن ہر خیر سے محروم ہے''---

اَرْوَاحُنَا اَبْنَاؤُنَا اَمْوَالُنَا فِدَاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ---

''یارسول اللہ! ہماری جانیں، ہمارے بچے اور ہمارے مال آپ پر فدا''---

تن، من، دھن آپ ﷺ پر فدا

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰہُ---

''اگر تم آپ کی مدد نہیں کرو گے، پھر یقیناً اللہ تعالیٰ تو آپ کا حامی و ناصر اور

مددگار رہے ہیں“---

اَلَا رَسُوْلُ اللّٰہ---

”ہمارا مقصود صرف اللہ کے رسول ہیں“---

ع: مسلم کے واسطے ہیں خدا کے رسول بس

نَحُوْرُنَا دُوْنَ نَحْرِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ---

”یارسول اللہ! ہمارے سینے آپ کے سینۂ اقدس کے آگے حفاظتی باڑ ہیں“---

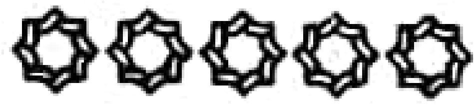
ہم عظمت رسول کے---- پاسباں ہیں پاسباں

یہ اور اس قسم کے ایمان افروز نعروں کی بہار سعودی عرب سمیت تمام عالم عرب میں قابل مشاہدہ تھی---اس بار ہم ان نعروں پر ماہ نامہ منار الاسلام، متحدہ عرب امارات، مارچ ۲۰۰۶ء کے ٹائٹل کو 'نور الحبیب' کے سرورق کی زینت بنا رہے ہیں تا کہ اہل پاکستان اور نور الحبیب کے قارئین بھی ان ایمان افروز تاریخی بینرز کی جھلک ملاحظہ کر سکیں---

تصویروں کی اشاعت ادارہ کی پالیسی نہیں ہے، اس لیے شرکاء جلوس کی تصویروں کو امکانی حد تک غیر واضح انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے---[ادارہ]

بصیر پور شریف
30/اپریل 2006ء

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہ نامہ نور الحبیب



سینہ بہ سینہ کرتی ہے صدیوں کا وہ سفر
چلتی ہے جو خبر کسی اخبار کے بغیر

حالاتِ حاضرہ

اخبارات کے اداریوں اور مضامین پر مشتمل بلا تبصرہ

انتخاب و ترتیب: محمد اصغر مجددی
بیورو چیف ماہنامہ نور الحبیب

سانحہ کراچی پر سوگ

سانحہ کراچی کے خلاف ملک بھر میں سوگ منایا گیا، جماعت اہل سنت کی اپیل پر کراچی، حیدر آباد، سکھر سمیت اندرون سندھ میں پہیہ جام ہڑتال کی گئی۔ منگل (عید میلاد) کے روز نماز مغرب کے وقت ہونے والے دھماکے کے نتیجے میں ۶۰ / افراد شہید اور ۳۰۰ سے زائد زخمی ہوئے، تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں نے واقعہ کو افسوس ناک قرار دیتے ہوئے شدید الفاظ میں اس کی مذمت کی ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کے روز کراچی کے نشتر پارک میں جماعت اہل سنت کے زیر اہتمام ہونے والے تاریخی اجتماع میں سٹیج کے نزدیک ہونے والے بم دھماکے کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے، جماعت کا مطالبہ درست ہے کہ اس واقعہ کی تحقیقات وفاقی سطح پر کرائی جائے اور اس شر پسند کارروائی کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ جماعت کا یہ مطالبہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ انہیں دھمکیاں موصول ہو رہی تھیں اور اس سلسلے میں صوبائی حکومت کو بھی مسلسل آگاہ کیا جا رہا تھا، مگر جلسہ گاہ میں سیکیورٹی کا مناسب انتظام موجود نہیں تھا، اس کی تحقیقات کرانا بھی ضروری ہے۔ یہ حیران کن ہے کہ واقعہ کے فوری بعد سیکیورٹی اہل کار اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد بہت تاخیر سے پہنچے، جب کہ ۲۴ گھنٹے تک کوئی بھی اہم سرکاری شخصیت جائے وقوعہ پر نہیں پہنچی، جس سے ہجوم زیادہ مشتعل ہوا۔ قریبی ہسپتالوں

میں بھی کوئی مناسب انتظام موجود نہیں تھا، جس کی وجہ سے زخمیوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

اب وزیر اعظم شوکت عزیز اور ان کے تین وزراء کراچی پہنچے ہیں، انہیں چاہیے کہ واقعہ کی باریک بینی سے تحقیقات کا حکم دیں، کیوں کہ بی بی سی پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ یہ تحقیقات بھی ماضی کی طرح دفن ہو جائیں گی اور ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ایک تاثر یہ بھی تقویت پکڑ رہا ہے کہ ایک تسلسل کے ساتھ سنی لیڈر شپ کو ختم کرنے کی سازش ہو رہی ہے، اس کو بھی بے نقاب کرنا ضروری ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ جمہوریت کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کو مکمل تحفظ فراہم کرے کہ وہ باآسانی اپنے اجتماع کا انعقاد کر سکیں اور لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے بھی کوئی جامع پروگرام تشکیل دیا جائے تا کہ عوام سکون کا سانس لے سکیں۔ [اداریہ، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۴ر اپریل ۲۰۰۶ء]

ایران کے میزائل تجربات اور جارحیت پر مبنی امریکی و برطانوی حکمت عملی

ایران نے خصوصی انقلابی گارڈز کی بڑے پیمانے پر جاری مشقوں کے دوران دنیا کے تیز ترین زیر آب میزائل کا تجربہ کیا ہے، جس کی رفتار ۳۰۰ رکلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ اس کی ریڈار میں نشان دہی نہیں ہو سکتی اور یہ بڑے جنگی جہاز و آب دوزوں کو تباہ کر سکتا ہے۔ انتہائی طاقت ور وار ہیڈ کا حامل میزائل جہاز میں نصب آلات میں ظاہر ہونے کے باوجود اپنی تیز رفتاری کے باعث ہدف کو بچنے کا موقع نہیں دیتا۔ ایک ہفتہ کے دوران ایران کا یہ دوسرا بڑا میزائل تجربہ ہے۔ ادھر دوسری جانب برطانوی اخبار ٹیلی گراف کے مطابق امریکہ اور برطانیہ، ایران کے خلاف کثیر القومی مشن پر غور کر رہے ہیں، جس میں اسرائیل کا تعاون بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس مشن کے تحت خلیج میں موجود امریکی بحری جہازوں سے ایران کے ایٹمی اڈوں پر موجود فضائی دفاعی نظام کو نشانہ بنایا جائے گا اور ڈیگو گارشیا کے امریکی بحری اڈے سے بھی ۲ بم بار طیارے جدید ترین سیٹلائٹ گائیڈڈ، بنکر شکن بم برسانے کے لیے پرواز کریں گے۔ بی بی سی کے دفاعی تجزیہ نگار کے مطابق ایران پر ممکنہ حملے کی تیاریاں آخری مراحل میں ہیں۔ گو امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور اس کے دیگر حواری ممالک طویل عرصے سے ایران کو سبق سکھانے کے لیے معاملات طے کرنے میں مصروف ہیں، امریکہ اور اسرائیل تو متعدد مرتبہ ایران کو حملے کی دھمکیاں بھی دے چکے ہیں۔ اس تناظر میں ایران کے حالیہ میزائل تجربات اس کشیدگی اور تناؤ میں مزید اضافے کا موجب بنیں گے جو دونوں ملکوں کے مابین پہلے سے موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کی ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنانے کے لیے امریکہ اور برطانیہ نے فوجی کارروائی کے امور پر غور کرنا شروع کر دیا ہے اور اس سلسلے میں اہداف کی حکمت عملی کا تعین بھی کر لیا گیا ہے، اگرچہ برطانوی و امریکی وزراء خارجہ کونڈو لیزا رائس اور جیک سٹرا نے اس مسئلے کو سفارتی طور پر حل کرنے کا عندیہ دیا ہے اور امریکی وزیر خارجہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایران، عراق نہیں ہے۔ تاہم آثار و قرائن بتاتے ہیں کہ دونوں ممالک حملے کی تیاریاں مکمل کر چکے ہیں اور اس کے لیے فضا کو سازگار بنانے کے علاوہ تمام صورت حال کا بغور جائزہ لیا جا رہا ہے۔

ایران بہر حال عراق نہیں ہے، وہ امریکہ کے لیے ہرگز ترنوالہ ثابت نہیں ہوگا، اس کے میزائل تجربات امریکہ کے لیے پیغام ہیں کہ وہ حملے کی غلطی نہ کرے۔ جب امریکہ خود کسی قانون، قاعدے اور ضابطے کی پروا نہیں کرتا اور اس نے این پی ٹی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھارت کے ساتھ سول نیوکلیئر ٹیکنالوجی کا معاہدہ کیا ہے تو وہ یہ امید کس طرح رکھ سکتا ہے کہ دوسرے ممالک ہر صورت بین الاقوامی قوانین کی پاس داری کریں، ان قوانین پر عمل درآمد دنیا میں مساوات و برابری کے اصولوں کے یک ساں نفاذ سے مشروط ہے، لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایران کی طرف سے امن کے لیے کام کرنے کی پیش کش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ کو دنیا میں حقیقی امن کے قیام کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، بصورتِ دیگر دنیا اسی طرح دہشت گردی کا شکار رہے گی اور چھوٹے ممالک طاقت ور ممالک کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنتے رہیں گے۔ [اداریہ روزنامہ جناح، لاہور، ۲۴/اپریل ۲۰۰۶ء]

پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لیے پگڑی اتارنے پر احتجاج

جمعہ کے روز قومی اسمبلی میں پاسپورٹ اور شناختی کارڈ بنواتے وقت پگڑیاں اتروانے کا معاملہ اٹھایا گیا۔ قومی اسمبلی میں تقریباً دو ہفتے قبل مذہبی جماعتوں نے پاکستانی فضائیہ میں لمبی داڑھی رکھنے کی وجہ سے ملازمت سے فارغ کیے جانے کا معاملہ اٹھایا تھا۔ جمعہ کے روز انھوں نے کمپیوٹرائزڈ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ بنوانے کے لیے فوٹو کھنچواتے وقت پگڑیاں اور ٹوپیاں اتروانے کا معاملہ اٹھایا اور احتجاج کیا۔ لیاقت بلوچ نے تحریک التواء پیش کرتے ہوئے کہا کہ پگڑیاں اور ٹوپیاں اتروانے کا عمل غیر شرعی ہے اور ایک اسلامی ملک میں ایسا ہونا باعث تشویش ہے۔ ان کی پیش کردہ تحریک کی وزیر قانون سید محمد وصی ظفر نے مخالفت کی اور کہا کہ اصل میں کمپیوٹرائزڈ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ بنواتے وقت بیک گراؤنڈ میں جو رنگ ہوتا تھا، اس سے ملتے جلتے رنگ والی پگڑیاں اور ٹوپیاں اتروائی جاتی تھیں، لیکن ان کے مطابق اب حکومت نے نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی یعنی نادرا کو ہدایت کی ہے کہ نیلے رنگ والے بیک گراؤنڈ کے ساتھ ساتھ سفید بھی رکھیں اور لوگوں کی پگڑیاں نہ اتروائیں۔ لیاقت بلوچ نے کہا کہ اگر حکومت نے ایسی کوئی ہدایت جاری کی ہے تو انھیں اس خط کی کاپی فراہم کی جائے۔ سپیکر نے فریقین کا مؤقف سننے کے بعد اس تحریک کو منظور یا مسترد کرنے کے بارے میں غور مؤخر کرنے کا حکم سنایا۔ [خبر، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۹/اپریل ۲۰۰۶ء]

نیشنل کمانڈ اتھارٹی کا اجلاس اور قومی وقار

پاکستان کے سٹریٹجک ہتھیاروں کی نگرانی کرنے والے ادارے 'نیشنل کمانڈ اتھارٹی' نے کہا ہے کہ امریکہ کے ساتھ بھارت کے ایٹمی معاہدے کے نتیجہ میں جنوبی ایشیا میں سٹریٹجک توازن بگڑے گا، بھارت اپنے ایٹمی ہتھیاروں کے لیے مزید افزودہ مواد تیار کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ صدر جنرل پرویز مشرف کی زیر صدارت نیشنل اتھارٹی کے اجلاس میں خطہ میں سٹریٹجک توازن اور پاکستان کے کم از کم ایٹمی ڈیٹرنس

کو برقرار رکھنے کے لائحہ عمل کی منظوری دی گئی۔ایک ایسے موقع پر جب کہ امریکہ، بھارت ایٹمی تعاون کی وجہ سے خطے میں طاقت کا توازن درہم برہم ہو چکا ہے اور امریکہ نے عملاً بھارت کو نیوکلیئر کلب کا رکن تسلیم کر کے اسے علاقائی بالادست ہی نہیں، عالمی طاقت بنانے کی کوششوں کا آغاز کر دیا ہے، نیشنل کمانڈ اتھارٹی کا اجلاس خوش آئند ہے۔امریکہ کے اعلیٰ عہدیدار، حکومت پاکستان کا یہ موقف تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اسے قبل از وقت اعتماد میں نہیں لیا گیا، وہ اس معاہدے کو خطے میں طاقت کا توازن بگاڑنے میں مددگار نہیں سمجھتے اور پاکستان کے ساتھ اس قسم کے کسی معاہدے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ان حالات میں پاکستان کی طرف سے یہ اصولی موقف تو مناسب ہے کہ امریکہ، بھارت تعاون سے خطے میں طاقت کا توازن درہم برہم ہوگا اور امریکہ نے پاکستان کو امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا ہے، لیکن بار بار یہ اپیلیں کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ امریکہ ہم پر بھی نظر کرم کرے اور اسی سلوک کا مستحق سمجھے جو اس نے اپنے چہیتے بھارت سے کیا ہے۔حالاں کہ صدر بش، کنڈولیزا رائس اور دیگر اعلیٰ رہنماؤں کے اس واضح جواب کے بعد کہ پاکستان کو یہ تعاون فراہم نہیں کیا جائے گا، قومی عزت اور وقار کا تقاضا یہ ہے کہ ہم امریکہ سے نہ تو کوئی مطالبہ کریں اور نہ کسی مہربانی کی توقع رکھیں۔پاکستان کے عوام ویسے ہی امریکہ کی اسلام دشمن پالیسی کی وجہ سے متنفر ہیں اور وہ حکومت پاکستان کی امریکہ نواز پالیسیوں کو پسند نہیں کرتے، اب اگر امریکہ نے خود ہی ہمیں اپنی غلامی سے نکلنے کا موقع فراہم کیا ہے تو ایک نیوکلیئر اسلامی ریاست اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے۔نیشنل کمانڈ اتھارٹی کے اجلاس میں یقیناً متبادل ذرائع پر غور کیا گیا ہوگا اور ماہرین نے حکومت کی رہنمائی کی ہوگی، اس لیے ساری توجہ اس طرف مبذول رکھی جائے اور امریکہ کا باب بند ہی سمجھا جائے، یہ ہمارے قومی مفاد کا تقاضا ہے۔

[اداریہ، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۴/اپریل ۲۰۰۶ء]

منار پاکستان کے زیر سایہ صدر کے ارشادات

صدر جنرل پرویز مشرف نے گزشتہ روز مسلم لیگ (ق) کے صد سالہ کنونشن سے منار پاکستان پر خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمیں اقبال اور قائداعظم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، انہوں اعتدال پسندی اور یک جہتی کا سبق دیا ہے۔صدر نے کہا کہ 'میں شاہی مسجد کے زیر سایہ قوم سے عہد کرتا ہوں کہ تمام ڈیم بنائیں گے، یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے'۔ مسلم لیگ (ق) کے جلسے میں صدر جنرل پرویز مشرف کی شرکت اور اقبال اور قائداعظم کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین اس لحاظ سے اہم واقعہ ہے کہ قائداعظم سے منسوب مسلم لیگ کے جلسے میں صدر نے شرکت کی اور مسلم لیگ پنجاب کے صدر چودھری پرویز الٰہی نے ان کی موجودگی میں اعلان کیا کہ 'کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو ہوتی رہے، پرویز مشرف باوردی صدر رہیں گے' جہاں تک وردی کا تعلق ہے، صدر اپنے ملک کے عوام ہی نہیں، عالمی برادری اور عالمی اداروں سے بھی

۲۰۰۷ء میں اتارنے کا وعدہ کر چکے ہیں، اب جب کہ وہ قوم سے اقبال اور قائد اعظم (علیہما الرحمہ) کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کر رہے ہیں تو پھر انہیں خود بھی قائد کے جمہوری تصورات سے مخلصانہ وابستگی کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہیے اور ان لوگوں کی التجاؤں پر ہرگز کان نہیں دھرنے چاہییں جو اپنے اقتدار کے تحفظ وطوالت کے لیے صدر کو وعدہ خلافی کی ترغیب دیتے ہیں، کیوں کہ انہیں بخوبی علم ہے کہ باوردی صدارت ہی اگلے انتخابات میں کامیابی کا تیر بہدف نسخہ ہے۔

صدر نے کالا باغ ڈیم سمیت تمام ڈیم بنانے کا عزم ظاہر کیا ہے، مگر جب تک عملی اقدامات نہیں ہوں گے، عوام ان یقین دہانیوں پر اعتماد نہیں کر سکتے، کیوں کہ ماضی میں اس طرح کے اعلانات عملی شکل اختیار نہیں کر سکے۔

[اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۵ر مارچ ۲۰۰۶ء]

پاکستانیوں کی اوسط عمر میں کمی

پی ایم اے نے اپنی سالانہ رپورٹ ۲۰۰۵ء میں انکشاف کیا ہے کہ صحت کے شعبے کی بگڑتی ہوئی حالت کے پیش نظر پاکستان میں اوسط عمر ۶۳ ر برس سے کم ہو کر ۶۰ ر برس رہ گئی ہے۔ ہیپاٹائٹس بی اور سی میں مبتلا مریضوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، پولیو کے خلاف مہم کے باوجود نئے مریض سامنے آرہے ہیں۔ پاکستان میں صحت کی ناقص سہولتوں کے بارے میں قطعی دورائے نہیں ہیں، اگرچہ وطن عزیز میں ہر بیماری کے سپیشلسٹ موجود ہیں، لیکن عام آدمی اس مہنگے علاج کی سکت نہیں رکھتا۔ درحقیقت حکومت کی طرف سے عوام کو صحت کی سہولتیں بہم پہنچانے کی جو کوششیں کی جاتی ہیں اور جو فنڈز مختص کیے جاتے ہیں، وہ عوام کو فائدہ پہنچانے کے بجائے خورد برد کر لیے جاتے ہیں۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ دنیا بھر میں اوسط عمر میں اضافہ ہو رہا ہے مگر ہم ترقی معکوس کا سفر کر رہے ہیں۔ دراصل اپنی دیگر ضروریات کی تکمیل کے باعث عوام حفظانِ صحت پر توجہ مرکوز نہیں کر سکتے، نہ ہی انھیں مناسب خوراک دستیاب ہے، لیکن حکومت عوامی بہتری کے دعوے کرنے میں پیش پیش ہے۔ محکمہ صحت اور حکومت کو اس صورت حال کا سنجیدگی سے نوٹس لیتے ہوئے عوام کو صحت کی سہولتوں کی فراہمی میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں رکھنا چاہیے۔

[اداریہ روزنامہ جناح، لاہور، ۴ر اپریل ۲۰۰۶ء]

میں لوٹا ہوا تو میری بیوی کو طلاق

سرحد کی خلافت اسلامیہ کا تازہ کارنامہ پڑھیے اور سر پیٹ لیجیے:

متحدہ مجلس عمل کے مولانا مجاہد خان بتاتے ہیں کہ سینٹ کے انتخابات میں اراکین صوبائی اسمبلی کے وفاداریاں بدل لینے کے خوف سے انھیں اکٹھا کر کے اس بات پر حلف لیا گیا کہ وہ متحدہ مجلس عمل سے غداری نہیں کریں گے اور جو ایسا کرے گا، اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ مولانا کا یہ انکشاف اگر درست ہے تو یہ سوال پیدا ہونا فطری امر ہے کہ کیا ایسے اخلاقی طور پر زوال پذیر گروہ سے یہ امید رکھی جا

سکتی ہے کہ وہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کرے گا۔ ذرا سوچیے تو، وفاداری تو بدلیں کوئی مولانا صاحب اور کوئی مفتی صاحب، لیکن طلاق ہو جائے ان کی بیوی کو۔ اس بے چاری کا کیا قصور ہے؟ عورت کے بارے میں اس طرح کا جاہلانہ رویہ ہمارے معاشرے میں کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن طلاقیں اٹھانے والا کام کرنے والے عام لوگ نہیں یہ مولانے ہیں، مفتی ہیں، پیر طریقت ہیں، کسی نے شہادت عالمیہ کی ڈگری لے رکھی ہے تو کوئی وفاق المدارس سے فیض یافتہ ہے۔ یہ لوگ اس ملک میں نفاذ اسلام کا ہراول دستہ ہیں، دین کی محبتوں کے صدقے ان کو ووٹ ملا اور یہ اسمبلیوں میں پہنچے۔ نیک دل مائیں نظام اسلام کی آس لگائے پنجاب کے میدانوں سے لے کر سندھ کے ریگ زاروں تک ان کے لیے دعا گو ہوتی ہیں اور بوڑھوں کی کوئی دعا ان کے تذکرے سے خالی نہیں ہوتی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم مجسم طریقت وتصوف وشریعت ہیں، دین سیکھنا ہے تو ہم سے سیکھو اور عمر کا عدل چاہتے ہو تو ہمیں ووٹ دو، لیکن حقیقت کیا ہے؟ اس حلف نامے نے خوب عیاں کر دی ہے۔ خدا کے لیے لوٹا ہونے کی کوئی اور سزا رکھیے، طلاقیں نہ اٹھایئے، طلاقیں اٹھانے سے آپ نے دیکھ لیا کہ سیاسی وفاداریوں کو بدلنے سے نہیں روکا جا سکتا۔

[مضمون روزنامہ جناح، لاہور، ۲۸/مارچ ۲۰۰۶ء]

ملکی تاریخ کی سب سے بڑی کابینہ

ملکی تاریخ کی سب سے بڑی کابینہ کو تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے قومی خزانے کو ماہانہ ۸۲/لاکھ روپے جب کہ تمام الاؤنس ڈال کر سالانہ ساڑھے ۱۷/کروڑ روپے بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کابینہ میں مختلف کمیشنوں کے چیئر مین، مالیاتی اداروں کے سربراہ اور مشیر وغیرہ شامل نہیں، جن کو وفاقی وزیر کا درجہ دیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق ایک وفاقی وزیر ایک لاکھ اکتالیس ہزار اور وزیر مملکت ایک لاکھ پچیس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ وصول کرتا ہے، جب کہ اس کے علاوہ سٹاف، کار، لامحدود پٹرول، ٹریولنگ اینڈ ڈیلی الاؤنسز، سرکاری مفت فون، ماہانہ پانچ ہزار موبائل فون کی مد میں، فرنشنگ الاؤنس (ایک مرتبہ) ایک لاکھ، صواب دیدی فنڈز تین سے پانچ لاکھ سالانہ بھی وصول کرتا ہے۔ کابینہ کے رکن کی حیثیت سے اس کے ذاتی سٹاف میں ایک پرائیویٹ سیکرٹری، پی اے، سٹینو گرافر، قاصد اور نائب قاصد شامل ہیں۔ ذرائع کے مطابق کابینہ میں اضافہ کی بڑی وجہ نئی وزارتوں کا بنایا جانا بھی ہے، جب کہ غیر اہم وزارتوں کی ۵، ۵ وزارتیں بنائی گئی ہیں۔ ان وزیروں کے علاوہ کچھ کمیشنوں، مالیاتی اداروں، ڈویژنوں کے سربراہوں کو بھی وفاقی وزیر کا درجہ دے دیا گیا ہے، جو کہ ایک وزیر کے برابر مراعات اور تنخواہیں لے رہے ہیں۔ سیاسی اور سماجی حلقوں نے بھاری بھر کابینہ کو خزانے پر اضافی بوجھ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ عوام معاشی بدحالی کے باعث خودکشیاں کرنے پر مجبور ہیں جب کہ حکمران مزے لوٹ رہے ہیں۔ [خبر، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۹/اپریل ۲۰۰۶ء]



کچھ
بیان
اپنا

جشنِ آزادی---لمحہ فکریہ

اگست کا نورالحبیب پیش نظر ہے---

آج سے ساٹھ سال پہلے اسی مہینا کی چودہ اور پندرہ تاریخ کی درمیانی شب قیام پاکستان کا اعلان ہوا--- آزادی کی نوید جاں فزا سنائی دی اور دنیا کے نقشے میں ایک نئے اسلامی ملک کا اضافہ ہوا---تب سے اب تک ہر سال نجی اور سرکاری سطح پر یوم آزادی کا جشن شایانِ شان انداز میں منایا جاتا ہے، رنگا رنگ تقریبات کا اہتمام ہوتا ہے، جھنڈے لہرائے اور نعرے لگائے جاتے ہیں اور خوش کن بیانات بڑی شدومد کے ساتھ جاری کیے جاتے ہیں---

مگر جشن کا یہ موقع دراصل ایک لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم واقعی آزاد اور جشن آزادی منانے کے

حق دار ہیں؟--- کیا وہ مقاصد رفیع ہم نے حاصل کر لیے ہیں، جن کی خاطر بے پناہ قربانیاں پیش کر کے وطنِ عزیز کا قیام عمل میں آیا تھا--- کیا وہ نظریہ جس کے تحت جنگ آزادی لڑی گئی تھی اور وہ مقصد جس کے پیش نظر آزادی کی ضرورت کا احساس ہوا تھا، ہماری نظروں سے اوجھل تو نہیں ہوگیا؟--- کیا اسلامی نظام کے نفاذ، شریعت محمدی کی آئینی و قانونی بالادستی، اقوام عالم میں سربلندی و سرفرازی، معاشی و اقتصادی خوش حالی، امن و امان اور عدل و انصاف پر مبنی ایک حقیقی اسلامی، فلاحی ریاست کے قیام میں ہم کامیاب ہو سکے ہیں؟--- ان سوالوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو سوائے حسرت، محرومی اور مایوسی کے کچھ سجھائی نہیں دیتا---

بد قسمتی سے اس بار یوم آزادی ایک ایسے موقع پر آ رہا ہے کہ داخلی و خارجی سطح پر ملک گھمبیر مشکلات سے دوچار ہے--- نائن الیون کے بعد امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی بننے اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے کی پالیسی اپنانے کے نتیجے میں ملکی سلامتی کو لاحق خطرات اور امن و سکون غارت کر دینے والے واقعات جس تیزی سے جنم لے رہے ہیں، اس پر محب وطن حلقے بجا طور پر سخت تشویش میں مبتلا ہیں--- المیہ یہ ہے کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ملک کو سیکولرازم اور لادینیت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے--- فحاشی، عریانی، بے راہ روی، بے حیائی اور بے غیرتی کو عام کرنے کی مذموم سازش کی جا رہی ہے--- حد یہ کہ ملک کی نظریاتی اساس--- دو قومی نظریے--- کی نفی کی جا رہی ہے---

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان دو قومی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا، اس موقع پر ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللّٰہ'' کا مقدس اور مقبول نعرہ مسلمانوں کا شعار بن چکا تھا--- حصول پاکستان کا مقصد وحید اسلام کی ہمہ پہلو جامع نظام حیات کے طور پر آئینی، قانونی اور عملی بالادستی کے ذریعے ایک فلاحی اسلامی ریاست کا قیام تھا--- آج کچھ لوگ مغالطہ آفرینی سے یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قائداعظم پاکستان کو سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے، حالانکہ بانی پاکستان اسلام سے حقیقی وابستگی رکھنے والے صاف، جرأت مند اور راست فکر رہنما تھے--- انھوں نے پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا

عزم کر رکھا تھا، سیکولر سٹیٹ کا خواب نہیں دیکھا تھا--- قائداعظم نے تحریک پاکستان کے دوران میں اور پاکستان بن جانے کے بعد ہمیشہ پاکستان کو اسلامی فلاحی جمہوری ریاست بنانے کی بات کی، جس پر ان کے بیسیوں خطابات شاہد ہیں--- چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

- ۸/مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں فرمایا:

"پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا، مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن اور نسل نہیں..........
آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبۂ محرکہ کیا تھا؟--- مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟--- تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟--- اس کی وجہ ہندوؤں کی تنگ نظری یا انگریز کی چال نہیں، اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا"--- [اقبال، قائداعظم اور پاکستان، از راجا رشید محمود، صفحہ ۱۱۵-۶]

- ۱۹۴۵ء کو اپنے پیامِ عید میں فرماتے ہیں:

"جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے--- مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، تعزیری اور قانونی ضابطہ حیات جو مذہبی تقریبات سے لے کر روزمرہ زندگی کے معاملات تک.......... روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک..........
تمام افراد (کے اجتماعی حقوق) سے لے کر ایک فرد کے (انفرادی) حقوق تک..........
اخلاق سے لے کر جرم تک.......... اس دنیا میں جزا و سزا سے لے کر اگلے جہان کی سزا و جزا تک.......... کی حد بندی کرتا ہے"---

[مجلہ اوج، لاہور، گولڈن جوبلی نمبر، صفحہ ۴۶۹]

- ۲۶/نومبر ۱۹۴۶ء کو ایک گفتگو میں قرآنی آیات:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾--- [آل عمران، ۳:۱۹]

"بے شک اللہ تعالیٰ کے یہاں اسلام ہی دین ہے"--- [کنزالایمان]

﴿وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾---[البقرة،۲:۸۵]

''اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے''---[کنزالایمان]

کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

''میں مطمئن ہوں کہ قرآن وسنت کے زندۂ جاوید قانون پر مبنی ریاست (پاکستان) دنیا کی بہترین اور مثالی سلطنت ہوگی---یہ اسلامی ریاست اسی طرح سوشلزم، کمیونزم، مارکسزم، کیپٹل ازم کا قبرستان بن جائے گی، جس طرح سرور کائنات ﷺ کا مدینہ اس وقت کے تمام نظام ہائے فرسودہ کا گورستان بنا---پاکستان میں اگر کسی نے روٹی کے نام پر اسلام کے خلاف کام کرنا چاہایا اسلام کی آڑ میں کیپٹل ازم، سوشلزم، کمیونزم یا مارکسزم کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی تو پاکستان کی غیور قوم اسے کبھی برداشت نہیں کرے گی''---

قائداعظم نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

''یہ یاد رکھو کہ میں نہرو نہیں ہوں کہ وہ کبھی سیکولرسٹ بنتے ہیں، کبھی مارکسٹ---میں تو اسلام کے کامل نظام زندگی، خدائی قوانین کی بادشاہت پر ایمان رکھتا ہوں---مجھے عظیم فلاسفر اور مفکر ڈاکٹر اقبال (علیہ الرحمۃ) سے نہ صرف پوری طرح اتفاق ہے بلکہ میں ان کا معتقد ہوں اور میرا ایمان ہے کہ اسلام ایک کامل ضابطہ حیات ہے--- دنیا کی تمام مصیبتوں اور مشکلوں کا حل اسلام سے بہتر کہیں نہیں ملتا---سوشلزم، کمیونزم، مارکسزم، کیپٹل ازم، ہندوازم، امپیریل ازم، امریکہ ازم، روس ازم، ماڈرن ازم، یہ سب (ازم) دھوکہ اور فریب ہیں---

مختصر الفاظ میں یہ سمجھ لو کہ یہ نمرود، قارون، شداد اور ہرمزدک کے نظریات ہیں،

جنہیں نئے رنگ میں پیش کیا جارہا ہے---آپ اسے کیوں نہیں سمجھتے کہ ان نظاموں کے علم بردار ایسے لوگ تھے جو انسانوں کے لباس میں بھیڑیے تھے اور آج بھی ایسے ہی لوگ ان کی علم برداری کر رہے ہیں--- دور قدیم میں سطوت وشوکت اور مال وجاہ کے لحاظ سے روم (اٹلی)، مصر اور ایران (فارس) دنیا پر حکومت کرتے رہے، لیکن آپ ان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے، یہ بھی امن وقانون اور انسانیت کے نام پر انسان کو لوٹتے رہے، یہاں تک کہ اس مادی طور پر (ظاہراً) بے سہارا اور اپنی دولت غریبوں میں بانٹ کر خود بھوکے رہنے والے حضرت محمد عربی ﷺ سرزمین مکہ سے اٹھے اور بے سروسامانی کے باوجود نظام اسلام نافذ کر کے رہے اور آخر اسلام تمام دنیا کی بگڑی بنا کر رہا---

حضرت سرور کائنات ﷺ بیک وقت صدر مملکت اور پیغمبر تھے، ان ﷺ کے نظام سلطنت کا ڈھانچہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے بہترین ہے اور صرف اسلام دنیا کی تمام مشکلوں کو حل کر سکتا ہے"---[نقوش قائد اعظم، از پروفیسر رحیم بخش شاہین، صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۴، بحوالہ قائد اعظم کا مسلک، از سید صابر حسین بخاری]

یہ اقتباس اگرچہ خاصا طویل ہے مگر اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قائد اعظم پاکستان میں محمد عربی ﷺ کا نظام لانا چاہتے تھے، وہ سیکولرازم اور ماڈرن ازم کے خلاف تھے---

- ۱۵ر مارچ ۱۹۴۶ء کو شیلانگ کے مسلمانوں کے ایک اجتماع سے قائد اعظم یوں مخاطب ہوتے ہیں:

"ہم کو چاہیے کہ ہم اپنی مقدس کتاب قرآن مجید کی تعلیم کی طرف رجوع ہو جائیں--- ہم کو احادیث (شریف) اور اسلام کی زبردست روایات پر عمل کرنا چاہیے، اگر ہم قرآن مجید کے احکامات پر عمل پیرا ہوں اور احادیث (مبارکہ) اور اسلامی روایات کو صحیح طور پر سمجھیں تو ہماری ہدایت کے لیے ان میں تمام احکامات اور ہدایات موجود ہیں"---[اسلام اور قائد اعظم، صفحہ ۱۷]

- ایک اور موقع پر فرمایا:

"پاکستان میں قرآنی آئین ہوگا--- میں نے قرآن پاک مع ترجمہ پڑھا ہے اور میں پختہ یقین رکھتا ہوں کہ قرآنی آئین سے بڑھ کر کوئی آئین نہیں ہوسکتا"---[ملخصاً، جولائی ۱۹۴۷ء، گفتار و کردار قائداعظم، صفحہ ۵۱۶]

- ۱۳؍جنوری ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے، جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"---[روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۲؍جنوری ۲۰۰۲ء]

- ۲۵؍جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کے دوران انھوں نے واشگاف الفاظ میں کہا:

"میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ دانستہ اور شرارت سے پراپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا--- اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے--- ان کو کہہ لینے دیجیے، ہم دستور پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک اعلیٰ آئینی نمونہ..........."---

[قائداعظم، افکار اور کردار، از راجا رشید محمود، صفحہ ۲۴]

قائداعظم کے بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ پاکستان دوقومی نظریے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا اور اس کے قیام کا مقصد وحید اسلامی نظام کی ترویج و اشاعت تھا--- یہی وہ نظریہ تھا جسے برصغیر میں سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اکبر کے نام نہاد دین الٰہی کے رد میں پیش کیا، ازاں بعد مجاہد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی اور حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اپنے اپنے زمانے میں اس نظریے کو

اجاگر کیا--- پھر علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے اس نظریے کو اپنا مطمح نظر بنایا--- ایک موقع پر قائداعظم نے دوقومی نظریے کی عام فہم انداز میں وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''ہم ہندوؤں سے مل جل کر کیسے رہ سکتے ہیں؟--- جسے وہ پوجتے ہیں ہم اسے کھا جاتے ہیں''---

دوقومی نظریے کی بنیاد پر ایک الگ اسلامی ریاست، جہاں قرآن وسنت کی آئینی وعملی حکمرانی ہو، کے قیام کے لیے ۱۹۲۵ء میں حضرت صدر الافاضل نے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کی بنیاد رکھ کر اس پلیٹ فارم پر اپنی جدوجہد کا آغاز کیا--- ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں جب علامہ محمد اقبال نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تو حضرت صدر الافاضل مراد آبادی طبقۂ علماء میں پہلے عالم دین تھے، جنھوں نے اپنی زیر نگرانی شائع ہونے والے مجلّہ ''السواد الاعظم'' (شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ/ دسمبر ۱۹۳۰ء) میں علامہ اقبال کی اس تجویز کی بھرپور تائید کی--- پھر تحریک پاکستان کو عوامی سطح پر مقبول ومؤثر بنانے کے لیے حضرت محدث اعظم کچھوچھوی، مفتیٔ اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، علامہ سید ابوالحسنات قادری، حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی، پیر آف زکوڑی شریف، پیر آف مانکی شریف، مولانا عبدالعلیم میرٹھی، مولانا عبدالحامد بدایونی، شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی اور دیگر عظیم المرتبت علماء ومشائخ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے تعاون سے ۲۷ تا ۳۰/ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں تاریخ ساز آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد کیا، جس مین پانچ ہزار علماء ومشائخ نے شرکت کی اور بیس ہزار سے زائد علماء ومشائخ نے تائیدی پیغامات بھجوا کر تحریک پاکستان کی پُرزور حمایت کی---

سواد اعظم اہل سنت وجماعت نے من حیث الجماعۃ قائداعظم کا بھرپور ساتھ دیا--- مذہبی حلقوں میں سے احرار، خاکسار اور نیشنلسٹ علماء (علماء دیوبند باستثناء چند) ہندوؤں کی جماعت کانگرس کے سب سے بڑے حامی تھے، جب کہ پوری قوم دوقومی نظریے سے متفق ہو کر مسلم لیگ کی ہم نوا تھی---

افسوس کہ آج امریکی اشاروں پر ملک کی نظریاتی اساس پر پھر از سر نو حملے کیے جا رہے ہیں اور ملک کو سیکولرازم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے---

یوم آزادی کا یہ موقع دراصل لمحہ فکریہ ہے کہ ۶۰ برس بیت جانے کے باوجود ہم نہ تو قوم بن پائے ہیں اور نہ ہی قیام پاکستان کے مقاصد کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک مثالی اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لا سکے ہیں--- البتہ مختلف عناصر پاکستان کو مسائلستان بنانے پر تلے ہوئے ہیں--- داخلی وخارجی معاملات اتنے گھمبیر ہو چکے ہیں کہ مقتدر قوتوں کو درست راہ سجھائی نہیں دیتی--- عوام مہنگائی کی چکی میں بری طرح پس رہے ہیں، غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے--- امن وامان کا فقدان، بے روزگاری، بے راہ روی، رشوت کے بغیر جائز حق اور عدل وانصاف سے محرومی، طبقاتی کش مکش، ذرائع ابلاغ سے فحاشی، عریانی اور مادر پدر آزادی کی حوصلہ افزائی، یہ اور اس قسم کے سیکڑوں معاملات حقیقی جشن آزادی کا منہ چڑا رہے ہیں، جب کہ خارجہ پالیسی اس سے بھی زیادہ تشویش ناک ہے--- بھارت روز اوّل سے ہی ہمارا دشمن ہے اور مشرقی سرحدیں ہمیشہ غیر محفوظ رہی ہیں، مگر ۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد ہماری حکومت نے امریکی مفادات میں افغان پالیسی تبدیل کر لی، جس کے نتیجے میں طالبان حکومت کا خاتمہ ہوا تو امریکی پٹھو حامد کرزئی کی حکومت میں یہ پڑوسی اسلامی ملک بھی پاکستان دشمنی کا گڑھ بن چکا ہے اور یوں ہماری شمال مشرقی سرحدیں بھی محفوظ و مامون نہیں رہیں اور اب تو شمالی علاقہ جات پر براہ راست امریکی حملوں کے خطرات منڈلا رہے ہیں---

ادھر تعلیمی محاذ پر لادینیت کو فروغ دینے کے ناپاک اقدامات کیے جا رہے ہیں اور اسلام کی مقدس شخصیتوں کے قابل فخر کارناموں کو نصاب تعلیم سے خارج کر دیا گیا ہے---

ایک طے شدہ پروگرام کے تحت لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا قضیہ کھڑا کیا گیا اور اس کی آڑ میں داڑھی، برقع اور دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈا تیز تر کرنے کی راہ ہموار کی گئی---

ہم ملک میں امن وامان کے قیام، معاشرے میں تحمل، رواداری اور اسلامی اخوت ومحبت

کے فروغ کے زبردست حامی اور فرقہ واریت اور مذہب کی آڑ میں دہشت گردی کے سخت مخالف ہیں لیکن انسداد دہشت گردی کی آڑ میں مساجد و مدارس کی آزادی اور محراب و منبر سے مثبت تعلیم دینے اور ہر قسم کے تعمیری خطابات روکنے کے منصوبہ کو مسترد کرتے ہیں---

ہم سمجھتے ہیں کہ محراب و منبر سے اٹھنے والی صدائے حق پر قدغن، مدارس کی آزادی سلب کرنے کے منصوبے، جہاد اور دہشت گردی میں فرق کو نظر انداز کرنا، ماڈل مساجد کے ذریعے مسجدوں کو تفریح گاہوں میں تبدیل کرنے کا منصوبہ، مخلوط انتخابات کے ذریعے ملک کی نظریاتی اساس--- دوقومی نظریے--- کی نفی، ایسے اقدامات ہیں، جن سے یہ شبہ یقین میں بدلتا دکھائی دے رہا ہے کہ ملک کو سیکولرازم اور لادینیت کی طرف دھکیلا جارہا ہے---

فرمان الٰہی کے مطابق یہود و نصاریٰ، اہل ایمان کے دوست نہیں ہو سکتے--- اس طرح کے اقدامات سے امریکہ اور دیگر لادینی عناصر کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے، نہ ملک و ملت کی فلاح و بہبود ممکن ہے--- ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ ملک اس وقت تک شاہ راہ ترقی پر گامزن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسے ان مقاصد کے مطابق نہ چلایا جائے جن کے لیے اس کا قیام عمل میں آیا تھا--- پاکستان کی بقا اور استحکام و ترقی کا راز صرف اور صرف اسلامی نظام کے کامل نفاذ میں مضمر ہے--- اگر اللہ اور رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکامات کے مطابق ہم عمل پیرا نہ ہوئے تو ہر آنے والا دن تاریک سے تاریک تر ہوتا جائے گا---

حقیقت یہ ہے کہ ساٹھ (۶۰) سال کا طویل عرصہ بیت جانے کے باوجود ہمارا طبقہ اشرافیہ اور ارباب اقتدار ابھی تک انگریز کا ذہنی غلام اور زلفِ لیلائے فرنگ کا اسیر ہے--- ملک اس دن آزاد ہوگا اور ہم یوم آزادی کے حق دار اس دن ٹھہریں گے جب نظریہ پاکستان کی عملاً کارفرمائی ہوگی اور ریاست اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کے قانون کے تابع ہوگی--- خدا کرے وہ صبح نور جلد طلوع ہو---

اظہار تشکر

حجۃ الاسلام سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا سالانہ عرس مبارک اور دارالعلوم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى لَهٗ

حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کا سالانہ اجلاس دستار ہائے فضیلت و تقسیم اسناد (منعقدہ ۱-۲/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ/ ۱۷-۱۸/ جولائی ۲۰۰۷ء) اپنی نوعیت کا منفرد علمی، روحانی، نورانی اور وجدانی پروگرام تھا--- شرعی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرس مبارک کی تقریبات منعقد ہوئیں، جس میں بلاشبہ دینی درد رکھنے والے ہزاروں اہلِ دل نے شمولیت فرمائی، جو حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی دینی و ملی خدمات کے عنداللہ مقبول ہونے کی علامت ہے---

عوام اہل سنت کے شعر و شاعری پر مبنی عمومی ذوق سماعت کو تبدیل کرتے ہوئے انھیں علمی و فکری مواد اور روحانی غذا مہیا کرنے کے لیے گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی مقررین کو خالص علمی و اصلاحی موضوعات دیے گئے تھے، بحمداللہ تعالیٰ عوام و خواص نے اس انداز کو بے حد سراہا، دل چسپی سے مقررین کو سنا اور علماء نے بھی خوب تیاری کے ساتھ ابلاغ کی سعی فرمائی--- ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس انداز کو مزید مؤثر بنانے کی کوشش کی جائے گی---

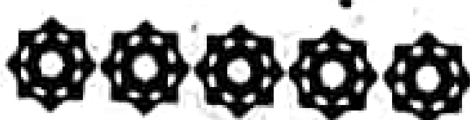
دارالعلوم حنفیہ فریدیہ اور آستانہ عالیہ نوریہ کے خادم کی حیثیت سے ان دو روزہ تقریبات میں شمولیت کرنے والے مشائخ عظام، علماء کرام، قراء، نعت خوانان، وابستگان سلسلہ، معاونین اور جملہ خواص و عوام کا صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں---

روزنامہ نوائے وقت اور دیگر اخبارات بالخصوص مذہبی رسائل و جرائد جنھوں نے حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز پر مضامین شائع کیے اور پروگرام کو کوریج دی، ہم ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں--- اللہ تعالیٰ جملہ محبین و معاونین کو اپنے خصوصی حفظ و امان میں رکھے اور برکات دارین سے نوازے---

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلّی اللہ و بارک و سلم علٰی سیدنا محمد و علٰی آلہ و اصحٰبہ اجمعین

(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہ نامہ نور الحبیب

بصیر پور شریف
۲۹/ جولائی ۲۰۰۷ء



سابقہ فوج داری قوانین اور حدود آرڈیننس

ایک تقابلی جائزہ

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

آج جب کہ حدودُ اللہ کا سر عام مذاق اڑایا جا رہا ہے اور شعائرِ اسلامی کی تضحیک ہو رہی ہے، حدود آرڈیننس کی آڑ میں حدود اللہ پر تنقید کی جا رہی ہے اور نشریاتی وسائل پر قرآنی آیات و احکام کا استخفاف معمول کا عمل بن گیا ہے۔ حدود کا میڈیا ٹرائل ہو رہا ہے اور علماء کو مجرموں کے کٹہرے کی طرح ٹی وی چینلز کے کٹہرے میں لا کر ان پر سوالات مجرمانہ کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے۔ بعض اخبارات حدود اللہ کے بارے میں حدود آرڈیننس کی آڑ لے کر ایسے اشتہارات و مضامین شائع کر رہے ہیں جو شاید کسی غیر مسلم اکثریت والے ملک میں بھی مسلمانوں کے خلاف شائع نہ ہوتے ہوں۔

اس موقع پر جہاں دیگر اہم دینی شعائر کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے، وہیں غامدی اور پرویزی طرزِ فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے سنت کو بھی دین کے مآخذ سے خارج کرنے کی بات ہو رہی ہے۔

حدود آرڈیننس کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ کوئی صحیفہ آسمانی نہیں کہ اسے منسوخ نہ کیا جا سکتا ہو۔ ہم نے مانا کہ یہ صحیفہ آسمانی نہیں لیکن اس میں صحیفہ آسمانی کی ترجمانی اور اس کے احکام کے نفاذ کی روح ضرور موجود ہے۔ اس دعوے کے ثبوت کے طور پر سابقہ فوج داری قوانین جو جرم زنا

کے حوالہ سے رائج تھے اور موجودہ حدود آرڈیننس کی بعض جزئیات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

- تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹۷ میں لفظ زنا کی تعریف اس طرح ہے:

"جو کوئی کسی عورت کے ساتھ مباشرت کرتا ہے اور اس کے بارے میں اسے علم یا یقین ہے کہ وہ کسی اور کی بیوی ہے اور اس شخص کی اجازت یا اس سے مشاورت کے بغیر اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے، نیز اس کا یہ فعل زنا بالجبر کے زمرے میں بھی نہیں آتا تو تصور کیا جائے گا کہ اس نے زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہے"---

حدود آرڈیننس، دفعہ ۴ میں اس جرم کی تعریف یہ ہے:

"ایک مرد اور عورت جو جائز طور پر آپس میں شادی شدہ نہیں ہیں، زنا کے مرتکب قرار پائیں گے، اگر وہ ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی جبر کے رضامندی سے مباشرت کرتے ہیں"---

- سابقہ قانون (تعزیرات پاکستان) کے مطابق کسی عورت کا شوہر اگر کسی شخص کے خلاف رپورٹ کرے کہ اس نے اس کی رضامندی کے بغیر اس کی بیوی سے مباشرت کی ہے تو ایسے شخص کے خلاف مقدمہ درج ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس نے ایک شخص کے حق زناشوئی میں مداخلت کی۔

جب کہ حدود آرڈیننس میں شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ کسی کی زناشوئی پر اعتراض ہو یا نہ ہو، یہ جرم زنا ہی قرار دیا گیا ہے اور شوہر کے علاوہ کوئی بھی شخص فعل زنا کے مرتکبین کے خلاف زنا کا مقدمہ درج کرانے کا مجاز ہے۔

- سابقہ قانون میں صرف شادی شدہ عورت سے مباشرت کرنا جرم تھا اور وہ بھی اس لیے کہ اس نے کسی دوسرے شخص یعنی عورت کے شوہر کے حق میں مداخلت کی ہے۔

حدود آرڈیننس میں زنا بذات خود جرم قرار دیا گیا ہے اور شادی شدہ یا غیر شادی شدہ جوڑوں کے زنا بالتراضی کو زنا ہی قرار دیا گیا ہے، جو عین منشائے شریعت ہے۔

- سابقہ قانون میں کسی بیوہ یا مطلقہ یا کنواری عورت سے رضامندی سے کیا گیا جنسی فعل زنا تصور نہیں کیا گیا۔

حدود آرڈیننس میں ایسی ہر مباشرت کو جو بلا ثبوت نکاح ہو، زنا قرار دیا گیا ہے۔

- سابقہ قانون میں صرف مرد ہی ملزم زنا قرار پاتا تھا، زنا کے جرم میں شریک خاتون زانیہ کو مجرم نہیں قرار دیا گیا اور نہ اس کے لیے کوئی سزا تجویز کی گئی ہے۔

حدود قوانین نے مرد و عورت دونوں کو جو اس جرم میں شریک ہوں، برابر کا مجرم قرار دیا ہے، جو عین منشائے شریعت ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ......﴾---

- سابقہ قانون میں زنا قابل راضی نامہ جرم تھا۔

حدود آرڈیننس نے اسے حسب حکم شریعت نا قابل راضی نامہ جرائم میں شامل کیا۔

- سابقہ قانون میں جرم زنا ثابت ہونے پر پانچ سال قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں مقرر تھیں۔

حدود آرڈیننس نے زنا کے مجرموں کو جرم ثابت ہونے پر اللہ اور اس کے رسول (ﷻ و ﷺ) کے حکم کے مطابق کوڑے لگانے اور سنگ سار کرنے کی سزا مقرر کی۔

یہ چند اہم فرق ہیں جو ہم نے بیان کیے، اسی طرح جزئیات میں بھی بہت نمایاں فرق ہے۔

حدود آرڈیننس کا جو میڈیا ٹرائیل میر شکیل الرحمٰن کے حلقہ نے کیا اور جس کی سرپرستی ان معروف قوتوں نے کی جن کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے۔ اب ان کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ حدود آرڈیننس کے سلسلہ میں علماء امت نے متفقہ طور پر حسب ذیل سفارشات پیش کی ہیں:

۱۴ رجون ۲۰۰۶ء کے "میری اخبارات" نے دو مکمل صفحات ان سفارشات کے لیے مختص کیے جو ثواب کی نیت سے بہر حال نہیں، کیوں کہ جس اخبار کی سطر سطر فروخت ہوتی ہو اور لفظ لفظ کی قیمت وصول کی جاتی ہو، یقیناً ان صفحات کو وہ کسی پس پردہ قوت کے ایماء پر ہی وقف کر سکتا ہے۔ بہر کیف ان صفحات پر جو سفارشات شائع کی گئیں، ان کے مطابق علماء امت کا یہ متفقہ فیصلہ قرار دیا گیا ہے کہ:

۱) زنا بالرضا کا مقدمہ اس وقت تک درج نہ کیا جائے، جب تک شکایت درج کرانے والا اپنے ساتھ چار گواہ نہ لے کر آئے۔

جب کہ سفارش نمبر ۸ میں لکھا ہے کہ زنا بالجبر کی صورت میں محض قرائن، سائنس اور میڈیکل کے علم کی گواہی کافی سمجھی جائے اور ایسے ثبوت دستیاب ہو جانے پر مجرم پر حد کا اطلاق ہونا چاہیے، یہ دوہرا معیار شہادت و اندراج مقدمہ نا قابل فہم ہے۔

۲) سفارش نمبر ۳ میں ہے کہ زنا بالجبر کی صورت میں ملزمہ کی بے گناہی کی صورت میں عدالت از خود قذف کا مقدمہ درج کرے، کسی نئی درخواست کا انتظار نہ کیا جائے، جب کہ

سفارش نمبر ۷ میں ہے کہ زنا بالجبر کی صورت میں ازخود قذف کا مقدمہ درج نہ کیا جائے، بلکہ الگ سے کیس درج کیا جائے۔

۳) سفارش نمبر ۴ میں ہے کہ زنا بالرضا کی صورت میں حمل کو کافی ثبوت قرار نہ دیا جائے جب کہ سفارش نمبر ۸ میں ہے کہ زنا بالجبر میں سائنس اور میڈیکل رپورٹس کی گواہی کافی سمجھی جائے۔

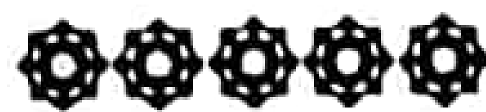
۴) سفارش نمبر ۵ میں ہے کہ زنا بالرضا میں جہاں چار گواہیاں پوری نہ ہوں، وہاں موجودہ قانون میں درج تعزیر کی سزا دینا درست نہیں بلکہ اس صورت میں سزا کلیۃً ختم کر دی جائے۔ (مقصد مجرم کو تعزیزی سزا سے بچانا ہے)

۵) سفارش نمبر ۶ یہ ہے کہ زنا بالرضا کی سزا دیتے ہوئے معاشرے کے حالات و واقعات اور ماحول کو پیش نظر رکھا جائے۔ (مقصد یہ ہے اگر معاشرہ بے حیائی پسند ہو جائے اور فحاشی وعریانی عروج پر پہنچادی جائے تو زنا کی سزا کو معطل کر دیا جائے)

ہمارے خیال میں ان سفارشات کو علمائے امت کی متفقہ سفارشات کہنا غلط ہے۔ ''میری اخبارات'' میں شائع ہونے والی گیارہ سفارشات کو متفقہ کہنا جب کہ مباحثہ میں شریک علماء خود اس کی متعدد بار نفی کر چکے ہوں، کھلا بہتان ہے، اس پر ''میری اخبارات'' کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت قذف و بہتان کا مقدمہ درج ہونا چاہیے۔

علماء کرام کو ان سفارشات پر غور وفکر کر کے ان سے لاتعلقی کا اعلان کرنا چاہیے اور یہ بات واضح کر دینا چاہیے کہ وہ حدود آرڈیننس جو حدود اللہ کے نفاذ کی راہ ہموار کرتا ہے، اسے محض تکنیکی بنیادوں پر رد کر کے اس کی جگہ انہی سابقہ قوانین کو بحال کرنے کی کوشش حدود اللہ کے خلاف اعلانِ جنگ ہے، کیوں کہ دونوں قوانین کے تقابلی جائزہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سابقہ قوانین جو انگریزی قوانین کا چربہ ہیں، ان میں سرے سے زنا کو جرم ہی قرار نہیں دیا گیا تو سزا کس بات کی؟ جب کہ حدود آرڈیننس نے جرم زنا کو پہلی بار پاکستانی عدلیہ و مقننہ میں جرم تسلیم کروایا ہے اور اس کی یہ ایک خوبی علماء کرام کی طرف سے اس کے دفاع کے لیے اپنے اندر کافی وجہ جواز رکھتی ہے۔

ہم ذاتی طور پر حدود آرڈیننس کی منسوخی کو شریعت مطہرہ کے خلاف ایک ایسی سازش خیال کرتے ہیں، جس کا مقصد اس ملک میں ہر ایسے قانون کے خلاف کارروائی کرنا اور اسے ختم کرنا ہے جس سے اس ملک میں اسلام کی بالادستی و برتری ثابت ہوتی ہو۔



INPAGE\IDA.INP

کچھ

بیاں

اپنا

پاکستان نیوی کا شر انگیز حکم

کسی بھی ملک کی سالمیت' بقا اور اس کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لئے مضبوط اور مستحکم فوج کی اہمیت و ضرورت مسلّم ہے' پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا' لہذا اس کی فوج کے لئے بھی اسلامی جذبہ سے سرشار ہونا از بس ضروری ہے اور الحمد للہ پاک فوج کی اکثریت اسلام کی محبت سے سرشار ہے مگر چند لادین عناصر اس ادارہ کے وقار کو مجروح اور اس میں رائج مقدس اسلامی روایات کو پامال کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت افسوس ناک امر کی طرف ماہنامہ کاروان قمر نے اپنے اداراتی شذرہ میں توجہ دلاتے ہوئے تحریر کیا ہے :

> "پاکستان نیوی کے تمام ملازمین کو ایک مراسلہ کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ صبح دعا (Prayer) کے وقت ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا سلسلہ ترک کر دیں اور اس کی بجائے جب تلاوت ہو رہی ہو تو پیچھے ہاتھ باندھ کر تلاوت سنا کریں۔

یہ حکم نیوی کے ایڈمرل ایس اے مجتبیٰ کا جاری کردہ ہے' جس کے

بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قادیانی افسر ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس حکم پر گذشتہ کم از کم چھ ماہ سے عمل ہو رہا ہے اور نیوی کے شعبہ مذہبی امور نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ایسا لگتا ہے کہ نیوی کے شعبہ مذہبی امور پر بھی کسی قادیانی افسر کو متعین کر دیا گیا ہے"

ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر' وزیر اعظم میاں نواز شریف اور مسلح افواج کے سربراہوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ فوری طور پر اس امر کی تحقیقات کرائیں' کلام الٰہی سننے کے مسلمہ آداب و روایات سے روگردانی کے حکم کا سختی سے نوٹس لیں' اس قسم کے احکامات جاری کرنے والے عناصر کا سختی سے محاسبہ کریں اور اس سے پہلے کہ نیوی کے مسلمان اور غیور نوجوان جذباتی ہو کر اس سراسر غلط آرڈر کی حکم عدولی کی پاداش میں سزائیں پانے لگیں' اس غلط حکم کو واپس کروانے کے احکامات جاری کریں۔

قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے

۷ / ستمبر ۱۹۷۴ء کو مسلمانان پاکستان کی بے پناہ اور طویل جدوجہد کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا' ربع صدی گزر جانے کے باوجود ابھی تک اس تاریخ ساز فیصلے پر کماحقہ عمل درآمد ہو سکا اور نہ اس قانون کے لازمی تقاضوں کو پورا کیا جا سکا۔ بھاری مینڈیٹ کی حامل حکومت کو چاہیے کہ وہ اسی ماہ ستمبر میں جراٴت مندانہ اقدام کرتے ہوئے' ملت اسلامیہ کے ناسور' اقلیتی گروہ' قادیانیوں کو اہم اور کلیدی عہدوں سے علیحدہ کرے تاکہ ملک کی اسلامی و نظریاتی سرحدوں کا تحفظ ہو سکے۔

محترم وزیر اعظم! یہ کام آپ کے لئے یقیناً باعث سعادت بھی ہو گا اور اللہ جل جلالہ اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بارگاہ میں سرخروئی کا ذریعہ بھی----

کاش آپ ایسا کر سکیں----

یادِ رفتگاں

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

گذشتہ سال ڈیڑھ کے عرصہ میں اہل سنت کے کتنے ہی آفتاب وماہتاب غروب ہو گئے، حضرت مفتی محمد حسین نعیمی، حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری، خواجہ محمد فخر الدین سیالوی، استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کس کس کا نام گنوایا جائے اور کس کس کا تذکرہ کیا جائے ؎

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اگست ۱۹۹۹ء میں تو اس تیزی سے زعمائے اہل سنت رخصت ہوئے کہ ؎

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
"یاروں" نے جا کے دور بسائی ہیں بستیاں

قارئین کرام! اخبارات کے ذریعے آپ یہ درد انگیز اور روح فرسا خبریں پڑھ چکے ہوں گے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد عالم صاحب (سیال کوٹ)، استاذ العلماء مولانا شمس الزماں قادری اور بانی مجلس حسان جناب محمد علی ظہوری اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے-----انا للہ و انا الیہ راجعون-----ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆ استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عالم صاحب علیہ الرحمہ مایہ ناز مدرس، بلند پایہ مبلغ اور کئی مذہبی، سیاسی اور جہادی تنظیموں کے سربراہ تھے۔ انہوں نے بھرپور زندگی گزاری اور ہزاروں افراد کو تدریس و تبلیغ سے فیض یاب فرمایا، سیال کوٹ کی تاریخ میں آج تک اتنا بڑا جنازہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ یقیناً یہ آپ کی ملی و دینی خدمات کا نتیجہ ہے-----

☆ استاذ العلماء مولانا شمس الزمان قادری صاحب ممتاز عالم دین اور لاہور کے معروف ترین علماء میں سے تھے' وہ متعدد دینی اداروں کے بانی اور کئی مساجد' انجمنوں اور تنظیموں کے سرپرست تھے۔ بہت خوش اخلاق اور ملنسار تھے' جس سے متأثر ہو کر متنبیؔ کا یہ مصرعہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے-----ع

احبك يا شمس الزملن و بدره

☆ محترم محمد علی ظہوری ممتاز نعت گو شاعر اور نعت خواں تھے' انہوں نے نعت خوانوں کی تربیت کے لئے مجلس حسان کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور فروغ نعت کے لئے بڑا کام کیا۔ بچپن ہی سے ظہوری صاحب کا نام اور کلام سننے میں آتا رہا' دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے اسٹیج پر دو نعت خواں بکثرت کلام سناتے رہے ہیں اور دونوں ہی ہم نام تھے' ایک محمد علی ملتانی اور دوسرے محمد علی ظہوری----

افسوس اب دونوں ہی داغ مفارقت دے گئے----- ظہوری صاحب نہایت خوش ذوق' خوش مزاج اور مرنجان مرنج انسان تھے' گفتگو میں مزاح اور بے تکلفی کا رنگ غالب تھا' ان کے ساتھ پاکستان کے علاوہ لندن' عراق اور مدینہ منورہ کے اسفار میں ہم سفر رہنے کا موقع میسر آیا' ان کی باتیں اور ان کی نعتیں یاد آتی ہیں تو ایک قیامت گزر جاتی ہے۔

وفات سے چند روز قبل ظہوری صاحب حاضری بارگاہ والا جاہ سے مشرف ہوئے اور انہیں حضور ﷺ کی مبارک جالیوں کے اندر جا کر سلام پیش کرنے کی سعادت میسر آئی' یقیناً یہ ظہوری صاحب کی ''معراج'' تھی-----

اللہ تعالیٰ جل و علا مرحومین کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے----- آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم اجمعین-----

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہنامہ نورالحبیب

بصیر پور شریف
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

آفاقی دین کی دعوت وتبلیغ کے چندلازمے

غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

اسلام ایک عالم گیر مذہب:

اسلام کی صداقت وسچائی کے دلائل پوری کائنات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ نظامِ قدرت، اجرام فلکی اورسیاروں کی دنیا، جمادات وحیوانات اورنباتات کی دنیا، شجروحجراور بحرکی دنیا، سائنس وفلسفہ کے مشاہدات و تجربات کے نتائج، عالم مشاہدہ و عالم ارواح کے حقایق وغیرہ وغیرہ۔ یوں ہی موسموں کا تبدیل ہونا، فصلوں کا بارآور ہونا، پھولوں کا کھل اٹھنا، خوش بوؤں کا پھیل جانا، بادبہاری کا چلنا، بادلوں کا برسنا اورزمین کا سیراب ہونا، چشموں کا جاری ہونا، فضا میں پرندوں کا بلند ہونا، مہ وخورشید کا چمکنا، شفق کا حسن، افق کا جمال یہ سب اپنے صانع "اللہ" کے وجود پر دلیلیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت وتبلیغ اگر مشاہداتِ کائنات ومظاہر فطرت، تجربات ووقائع اور سائنسی حقائق کی روشنی میں کی جائے تو "ایمان وایقان" کی روشنی ملتی ہی ہے۔

دین فطرت صرف اسلام ہے۔ وہ مذاہب جوانسانوں کے بنائے ہوئے ہیں وہ چند توہمات ومفروضات کا مجموعہ ہیں اور عقل وروحانیت کسی ذرائع سے ان کی تائیدنہیں ہوتی۔ جب کہ اسلام کا حسن نکھرتا جاتا ہے اس لیے کہ یہ "خدائی دین" ہے اوردین مبین:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ---[سورۃ آل عمران:19]

"بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے"---[کنزالایمان]

غور وفکر کی تعلیم:

قرآن مقدس میں عقل وخرد رکھنے والوں کومختلف انداز میں تعلیم فرمائی گئی، کہیں عناصرفطرت میں غواصی اورفکر کا حکم دیا گیا تو کہیں اپنی نشانیاں اورنوع بہ نوع عجائب دکھائے گئے، کہیں کائنات کے مطالعہ کی ترغیب دلائی گئی۔ دوسری طرف ہمارا یہ حال کہ ہم قرآن مقدس نہیں دیکھتے، اس کے بحرِحکمت میں غواصی نہیں کرتے، قرآن کے احکامات پرعمل نہیں کرتے، ورنہ اسرارو غوامض کھلتے

اور فکر ونظر کی تطہیر کا بہت کچھ سامان ہوتا۔کیسی سچی اور شبہے سے ورا باتیں ہیں کہ عقل کو روشنی ملتی ہے اور شعور کی گرہیں کھل جاتی ہیں:

الف...... وَ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَo---[سورۃ البقرۃ:۷۳]

''اور تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمھیں عقل ہو''---[کنزالایمان]

ب...... قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَo---[سورۃ آل عمران:۱۱۸]

''ہم نے نشانیاں تمھیں کھول کر سنادیں اگر تمھیں عقل ہو''---[کنزالایمان]

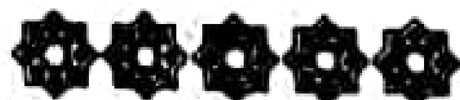
عقلی استدلال کی ضرورت:

اسلام کے مبلغ کا اسلام کے اصول ومبادیات کے ساتھ ساتھ زمانے کے حالات وضروریات سے باخبر ہونا ضروری ہے۔زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ تقاضے بھی سر ابھارتے ہیں اور فتنوں کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور ان کے طریقے بھی،اسلام کے مقابل جتنے فتنے وجود پاتے ہیں،وہ نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔باطل نت نئے ہتھ کنڈوں سے لیس ہو کر سامنے آتا ہے۔قرآن مقدس وہ کتاب ہدایت ہے کہ مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے تمام اعتراضات،فتنوں،ابہام،ازموں اور لادینی فکروں کا جواب اس میں موجود ومذکور ہے۔

یہ بھی مشیت کا اہتمام وانتظام ہے کہ جس عہد میں دین کے مقابلے میں جس طرح کا معاملہ سامنے آیا اور باطل نے سر ابھارا اس کے جواب کے لیے اہل حق کو ایسی دلیل عطا کی گئی کہ باطل کے لیے وہ مسکت ودنداں شکن ثابت ہوئی اور بالآخر غلبہ اسلام کو ہی ملا۔جب فلسفۂ یونان اپنی فتوحات کے نتیجے میں فکر غلط کا شکار ہو کر وجود باری تعالیٰ کو جھٹلانے کے درپے ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی عطا کی گئی،فرعونِ مصر کے طلسم ساحری کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے عصائے موسوی سامنے آیا اور قوم عرب جن کو زبان وبیان پر ملکہ حاصل تھا جو اپنی فصاحت وبلاغت پر نازاں وشاداں تھے،ایسے کہ دوسروں کو بے زباں جانتے اور ''عجمی'' کہتے،خاتم الانبیا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن مقدس کا نزول ہوا تو وہ بے زباں ہو کر رہ گئے۔رب تعالیٰ کے کلام کے آگے ہر دعوے دم توڑ گئے:

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منھ میں زباں نہیں،نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

قرآن مقدس کی ہدایت ورہ نمائی اور عظمت وشان ہر شعبہ ہائے حیات میں مسلّم ہے، زمانے کے اعتبار سے ماضی وحال کے ساتھ ساتھ یہ مستقبل کو بھی رہ نما ہے۔یہ جہاں ناقابل تردید روحانی دلائل رکھتا ہے،وہیں پر ظہور میں آنے والے افکار ونظریات،تجربات ومشاہدات، خیالات ورجحانات کے مقابل حق وصداقت کی تائید ونصرت میں عقلی وحسی استدلال کی ناقابل تردید قوت بھی رکھتا ہے،ضرورت اس سے استفادے کی ہے،اس کے بحر عرفان میں غواصی کی ہے۔



سائنس، فلسفہ اور مذہب

مولانا شمس الحق افغانی

قدرت کی مادی کائنات میں جو قواعد وضوابط کارفرما ہیں، جدید دور میں ان کی دریافت کا نام سائنس ہے۔ سائنس لاطینی کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے، جاننا اور جو قوانین مادہ سے ماوراء امور سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا نام فلسفہ ہے۔ قدیم یونانی فلاسفہ اوّل کو حکمت طبعی یا طبیعات سے تعبیر کرتے تھے اور دوم کو حکمتِ الٰہیات یا حکمتِ اعلیٰ کے نام سے نامزد کرتے تھے اور ان دونوں کے علاوہ ریاضی کے تمام اقسام اور اخلاقی، منزلی اور سیاسی مدنی قوانین سب کو فلسفہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

دور جدید میں سائنس کے ذرائع علم

عصر حاضر میں محسوسات میں فیصلہ کن قوت تجربہ اور استقراد ہے۔ تجربہ اور استقراد اگر تام اور وسیع ہو تو اس کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے اور اگر ناقص ہو تو فیصلہ میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ مثلاً قدیم تجرباتِ فلاسفۂ یونان اور حکماءِ یورپ کے یہ تھے کہ زمین ساکن ہے اور جدید تجربات نے یہ ثابت

کر دیا کہ زمین گردش کرتی ہے، جس سے پہلے تجربات غلط ثابت ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ سابق تجربات ناقص تھے۔ اس کے علاوہ کبھی موجودہ تجربے کے خلاف مستقل نیا تجربہ ظہور میں آجاتا ہے، جس سے پہلے تجربے کا حکم باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی وقت یہ تجربہ تھا کہ تصاویر سینما متحرک ہیں، لیکن اس کے بعد سینما میں تصاویر کے متحرک ہونے کا نیا تجربہ مشاہدے میں آیا، جس سے پہلے تجربے کا حکم غلط ثابت ہوا۔ اسی طرح پہلے وقت میں سینما کی تصاویر متحرک تھیں، لیکن ناطق نہ تھیں، اس وقت تجربہ یہ تھا کہ تصاویر سینما اگرچہ متحرک ہیں لیکن ناطق اور بولنے والی نہ تھیں، لیکن اس کے بعد تجربے نے ان تصاویر کا ناطق اور بولنے والا ثابت کیا، جس سے پہلا حکم باقی نہ رہا۔ پھر مادی سائنس کے فیصلے جن احساسات پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کو قطعی اور غیر مشکوک سمجھا جاتا ہے، وہ سو فیصدی حسی نہیں۔ محسوسات اگرچہ خارج میں موجود ہیں لیکن ہمارے اندر وہ موجود نہیں، بلکہ ہمارے اندر صرف شعوری کیفیات موجود ہیں، لیکن شعور نہ جسم ہے نہ محسوس اور نہ محسوس کو اس سے اتصال ہے، کیوں کہ اتصال دو جسموں میں پایا جاتا ہے، غیر جسم اور جسم میں نہیں پایا جاتا۔ مزید برآں محسوس پر حکم لگانا صرف حس کا فیصلہ نہیں بلکہ عقل و فکر کو بھی اس میں دخل ہے۔ مثلاً ہم نے آنکھ سے آم کے دانے کو دیکھا، جس کی وجہ سے شعاع بصری اور ہوا کے ٹکراؤ نے دماغی اعصاب کے ذریعے ہم میں آم کی ایک شعوری کیفیت پیدا کر دی۔ اس سے قبل ہماری عقل میں دانۂ آم کا ایک کلی نقشہ موجود تھا، ہماری عقل نے اس کلی نقشے کو محسوس آم کی کیفیتِ شعوری پر منطبق کیا اور اس انطباق سے یہ حکم لگا کہ یہ آم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ محسوسات کے متعلق جس قدر فیصلے صادر ہوتے ہیں ان میں عقل کو بھی دخل ہے۔ عقل اگر صاف ہو تو ایک حد تک یہ فیصلے صحیح ہوتے ہیں لیکن اگر عقل میں تعصب اور وہم کی آمیزش ہو تو حقیقت مبہم ہو جاتی ہے اور فیصلے غلط ہو جاتے ہیں۔ جس کی عمدہ مثال مغربی مستشرقین کی تصنیفات ہیں، جنھیں وہ اسلام، قرآن مجید اور صاحبِ قرآن ﷺ کو عقل و بصیرت کی اس عینک سے دیکھتے ہیں جس پر صلیبی جنگوں کا متعصبانہ غلاف چڑھا ہوا ہے۔ اسی عینک کے تحت ان کو اسلام، قرآن حکیم اور صاحب قرآن ﷺ سے متعلق تمام روشن حقائق سیاہ نظر آتے ہیں، اسی صورت میں عقل صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی۔

فلسفہ

غیر مادی کائنات جو حواس کے تجربے سے خارج ہے، مثلاً خالقِ کائنات، صفاتِ باری تعالیٰ، روح ما بعد الموت کے انسانی احوال۔ ان کے متعلق صرف عقل و دماغ سے کوئی ضابطہ یا قانون بنانا، اسی طرح لطیف اشیاء، عقائد و اعمال و اخلاق کے حسن و قبح کے متعلق عقل و فکر کے ذریعے کوئی

فیصلہ کرنا، یہ سب فلسفہ کہلاتا ہے۔ مذکورہ امور میں عقل محض کے فیصلے حرف آخر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں اکثر تصادم بلکہ تناقض ہوتا رہتا ہے۔ فلسفۂ مشائی، فلسفۂ اشراقی اور فلسفۂ یورپ کے فیصلوں اور قوانین میں باہم تناقض ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ عقلی معلومات کا ماخذ درحقیقت حسی معلومات ہیں اور مذکورہ امور ماوراء الحس سے متعلق ہیں۔ اس لیے عقل جب ان کے متعلق کوئی قانون بنائے گی تو محسوساتی رنگ میں بنائے گی اور نامحسوس کو محسوس پر قیاس کرے گی، اس لیے ایسے فیصلے میں ضرور غلطی واقع ہوگی۔ مثلاً یہ فیصلہ کہ مادہ کائنات ازلی ہے، کیوں کہ اگر وہ ازلی نہ ہو تو عدم محض اور خالص نیستی سے وجود میں آیا ہوگا اور عدم سے کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی، کیوں کہ پوری کائنات جوہری ذرات (مادہ) سے پیدا ہوئی ہے اور جہاں محسوسات میں کوئی ایسی مثال نہیں کہ کوئی چیز نیست سے ہست ہوئی ہو۔ برتن مٹی سے، تلوار لوہے سے، عمارات چونہ، سیمنٹ، اینٹ، گاڈر اور لکڑی وغیرہ سے تیار ہوتی ہیں۔ تو مادہ اگر پیدا شدہ ہو، اس سے قبل جب کوئی مادہ تھا ہی نہیں تو وہ خالص عدم سے کیسے وجود میں آیا؟ آپ نے دیکھ لیا کہ فلسفہ کا یہ فیصلہ جو عقلی کہلاتا ہے، درحقیقت محسوسات سے ماخوذ ہے۔ یعنی خدائے غیر محسوس کے فعل و عمل کو انسانِ محسوس کے فعل و عمل پر قیاس کیا گیا۔ انسان چوں کہ نیست سے ہست نہیں کرسکتا، لہٰذا خدا ﷻ بھی ایسا نہیں کرسکتا کہ نیست سے کوئی چیز پیدا کردے۔ گویا خالق کو مخلوق پر قیاس کیا گیا، حالاں کہ خالقِ کائنات ﷻ بڑی ذات ہے، ایک مخلوق کا دوسری مخلوق پر قیاس کرنا غلط ہے۔ ہاتھی جو مخلوق ہے، بیس من بوجھ اٹھا سکتا ہے لیکن چیونٹی نہیں اٹھا سکتی۔ اب اگر چیونٹیوں کی کانفرنس یا رلیمنٹ یہ فیصلہ کردے کہ چوں کہ ہم بیس من بوجھ نہیں اٹھا سکتے تو ہاتھی بھی نہیں اٹھا سکتا تو یہ فیصلہ قطعاً غلط ہو گا۔ اسی طرح انسان جو خالق کی نسبت اس سے بہت کم ہے، جس قدر چیونٹی ہاتھی سے بہت کم ہے، یہ فیصلہ کردے کہ چوں کہ ہم انسان نیست سے کوئی چیز ہست نہیں کرسکتے تو خداوند قدوس بھی نہیں کرسکتا تو یہ فیصلہ غلط ہی ہوگا۔ چیونٹی تو پھر بھی ہاتھی کے ساتھ بہت سے امور میں شریک ہے، دونوں جسم ہیں، دونوں حیوان ہیں، لیکن قیاس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ علم نہیں اور نہ ہی ایسی لیبارٹری ہے کہ جس میں ہم خدا کی قوت کا تجزیہ و تحلیل کرسکیں۔ اس کے علاوہ ہر حقیقت واقعیہ کے لیے مثال موجود کا مطالبہ ہی سرے سے درست نہیں۔

جارج پنجم کی تاج پوشی کا جشن دہلی میں ہوا لیکن شاہانِ انگلستان میں سے کسی اور بادشاہ کا جشنِ تاج پوشی دہلی میں نہیں ہوا، اب اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں جارج پنجم کی جشنِ تاج پوشی کا دہلی میں ہونا تسلیم نہیں کرتا جب تک مجھے کوئی اور مثال ایسی پیش نہیں کی جاتی کہ انگلستان کے کسی اور

بادشاہ کی رسم تاج پوشی دہلی میں ہوئی ہے تو کیا اس مطالبہ مثال سے اصل واقعہ مشکوک ہو سکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔ یہی حال مادے کا ہے اور مادہ آغازِ آفرینش سے عدم سے وجود میں آیا، ازاں بعد پوری کائنات مسلسل مادہ کی ترتیب سے پیدا ہوتی چلی گئی، لہٰذا نیست سے ہست کا وجود صرف ایک واقعہ ہے اور وہ بھی اجسامِ عالم کی تخلیق سے قبل، جس وقت نہ انسان تھا اور نہ دیگر کائنات۔ مادہ بن چکنے کے بعد جس قدر تخلیقی واقعات ہیں، وہ سب ہست سے ہست ہونے کے واقعات ہیں، اس لیے جس زمان میں انسان ہے وہ ہست کو ہست ہونے والے کو دیکھتا ہے، ان سے وہ نتیجہ کیوں کر نکال سکتا ہے۔ عالمِ اجسام کی تخلیق مادہ کے وقت بھی نیست سے ہست ہونے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اب اگر پھر بھی مادیین میں کوئی اصرار کر کے نیست سے ہست ہونے کا واقعہ کا ضرور ہمیں مشاہدہ کرلیا جائے تو جواب یہ ہے کہ تم ہم کو اس زمانے میں لے جاؤ جس زمانے میں تخلیقِ اجسامِ عالم سے پہلے جوہرِ مادہ کی تخلیق ہو رہی تھی، ہم مشاہدہ کرانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ یہ مطالبہ مشاہدہ اس وقت ایسا ہے کہ کوئی شخص یہ مطالبہ کر دے کہ ہمیں دارا و سکندر کی جنگ کا مشاہدہ بیسویں صدی میں کرادو، ورنہ ہم نہیں مانتے، تو اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہمیں اس زمان و مکان میں پہنچا دو جہاں اور جس وقت یہ جنگ ہوئی تھی تو مشاہدہ کرا دیا جائے گا۔ تاہم سکندر، فردوسی، یونانی نے نیست سے ہست ہونے کی صورت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ علامہ ابن مسکویہ نے اپنی کتاب ''فوز الکبیر'' میں اس کی رائے واضح الفاظ میں نقل کی ہے کہ موم کی شکل اگر گول ہو اور پھر ہم اس میں تصرف کر کے مربع شکل میں تبدیل کر دیں تو پہلی شکل وصورت معدوم ہو کر دوسری شکل مربع وجود میں آئی۔ اب ظاہر ہے کہ یہ مربع صورت عدم سے وجود میں آئی، پہلی صورت سے نہیں بنی بلکہ وہ گم ہو گئی تو جب صورت عدم سے وجود میں آسکتی ہے تو مادہ بھی عدم سے وجود میں آسکتا ہے۔ کیوں کہ جوہری مادہ بسیط اجزاء ہیں، جو ہر حالت میں کوئی نہ کوئی صورت رکھتے ہیں، کوئی مادہ صورت سے جدا نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی صورت مادہ کے بغیر موجود ہو سکتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مادہ اور صورت دونوں آغازِ تخلیق میں عدم سے وجود میں آئے۔

میرے نزدیک مادیین کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے مخلوق بالذات اور مخلوق بالواسطہ میں فرق نہیں کیا۔ تمام مادی اجسام مخلوق بالواسطہ ہیں کہ مادہ کے واسطے سے خالق کائنات سے خلق ہوئے ہیں لیکن خود مادہ کسی دوسرے مادے سے مخلوق نہیں ہوا بلکہ خالقِ کائنات نے براہ راست اس کو خلق کیا۔ کیوں کہ مادے کے لیے مادہ ضرور ہو تو تسلسل محال لازم آئے گا، جو فلسفہ کے لحاظ سے درست نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید بالواسطہ کلام کرتا ہے، یعنی زبان کے ذریعے تکلم

اور نطق کرتا ہے لیکن خود زبان بالذات ناطق اور متکلم ہے، زبان کے بولنے میں وہ کسی دوسری زبان کی محتاج نہیں بلکہ بالذات ناطق ہے۔ اسی طرح اجسامِ مادیہ مخلوق ہونے میں مادہ کے محتاج ہیں، لیکن مادہ مخلوق ہونے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔

مذہب

مذہب ان امور سے متعلق ہے جو سائنس اور فلسفہ کے دائرے سے خارج ہیں۔ سائنس کا دائرہ مادیات ہیں اور فلسفہ کی بنیاد ظنیات اور تخمینات ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ یونانی یا یورپی فلسفہ چونکہ غیر یقینی تھا، اس لیے وہ مذہب کا استعمال نہ کر سکا۔ لیکن سائنس مشاہدہ اور تجربے پر مبنی ہے، اس لیے سائنس اور مذہب میں تصادم کی صورت میں مذہب اس کے مقابلہ میں نہیں پڑ سکتا، یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مذہب اور سائنس میں مقابلہ جب ہوتا ہے، جب دونوں کا دائرۂ عمل ایک ہوتا، لیکن مادیات اور ماوراء المادیات دو مختلف دائرے ہیں، جن میں مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سائنس جن چیزوں کا اثبات یا ابطال کرتی ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہیں۔ عناصر کس قدر ہیں، پانی کن چیزوں سے مرکب ہے، ہوا کا کیا وزن ہے، روشنی کی رفتار کیسی ہے، زمین کے کس قدر طبقات ہیں؟ مذہب کو ان سے کوئی تعلق نہیں، مذہب جن چیزوں سے بحث کرتا ہے، مثلاً یہ کہ خدا ﷻ ہے اور مرنے کے بعد اور قسم کی زندگی ہے اور نیکی اور بدی ہے اور ان کے نتائج ثواب و عقاب ہیں۔ ان میں سے کون سی چیز ہے جسے سائنس ہاتھ لگا سکتی ہے۔ سائنس دان اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو اس کا علم نہیں یا یہ کہ یہ چیزیں تجربہ اور مشاہدہ سے باہر ہیں اور ہمیں صرف ان چیزوں کا علم ہو سکتا ہے جو تجربے میں آ سکتی ہیں۔ لیکن حقیقت ناشناسوں نے عدمِ علم سے علمِ عدم سمجھ لیا، حالاں کہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مذہب کے دائرے میں تمام وہ امور داخل ہیں جو تہذیب النفس و تزکیۂ قلب اور اصلاحِ معاشرہ سے متعلق ہیں یا اجتماعی و سیاسی زندگی سے وابستہ ہوں، اس بنا پر مذہب کے لیے ضروری ہوا کہ وہ مادیات کے متعلق بھی احکامِ خیر و شر صادر کر دے، کہ فلاں فلاں حیوانات کا کھانا جائز ہے اور فلاں فلاں کا ناجائز ہے، دودھ کا پیا جانا جائز ہے اور شراب کا ناجائز ہے، تجارت کی فلاں صورتیں جائز ہیں اور فلاں ناجائز ہیں، شرکی کاروبار جائز ہے اور سود ناجائز ہے، معاشی نظام کے تحت فلاں صورتیں جائز ہیں اور فلاں ناجائز ہیں، جنگ، ازالۂ ظلم اور اقامتِ عدل کے لیے جائز اور جہاد ہے اور اس کے خلاف ناجائز ہے۔ فرد اور جماعت کی فلاں قسم کی آزادی جائز

ہے اور فلاں ناجائز۔ ایسے تمام احکام اور حدود جو مذہب حقیقی نے مقرر کیے ہیں، اس سے مقصود اصلاحِ معاشرہ، تہذیبِ نفس اور عادلانہ نظام کا قیام ہے، یہ معاملہ کہ انسان کے کن افعال سے روحِ انسانی کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور کن سے فساد کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور کن افعال میں روح کے لیے زہریلے اثرات موجود ہیں اور کن میں تریاقی اثرات، یہ سب امور سائنس کی دسترس سے باہر ہیں۔

'الکلام' شبلی میں یورپ کے سائنس دانوں کے اقراری حوالہ جات درج ہیں کہ روح اور منشاءِ حیاتِ انسان کی حقیقت کی دریافت سے چوٹی کے سائنس دان عاجز ہیں۔ لہٰذا قدرتی طور پر روح اور روح سے سرزد افعال کی خاصیات کی دریافت خالقِ روح اور خالقِ انسان کے دائرۂ علم میں داخل چیزیں ہیں، جس کا فیصلہ حقیقی مذہب یا الہام ہی کر سکتا ہے، نہ کہ مادی علوم، جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مادی علوم کے علم برداروں نے جب بھی اپنے حدود سے تجاوز کر کے غیبی اور الہامی علوم میں مخالفانہ مداخلت کی تو انسانی معاشرہ ان کی اس مداخلتِ بے جا سے درہم برہم ہوا اور بالآخر حقیقی مذہب کے قوانین کی طرف ان کو مجبوراً جھکنا پڑا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ یورپ نے مادی علوم کی مدہوشی میں مادی علوم کے دائرے سے باہر قدم رکھ کر اسلام پر جو اعتراضات کیے اور جن مسائل کو نشانۂ طعن بنایا، آج تمدنی ضروریات کی وجہ سے خود انھوں نے اپنی غلطی عملاً محسوس نہیں کی، کہ ان کی تمام علمی کاوشیں نبی امی ﷺ کے پیش کردہ خدائی قوانین کے آگے بے وقعت ثابت ہوئیں۔ یورپ نے عدلِ انفرادی و اجتماعی کی غرض سے اسلام کے مقدس قانونِ جہاد پر اعتراض کیا، لیکن گزشتہ دو جنگوں میں صرف اپنی بات کے پچ کے لیے خون کی ندیاں بہائیں اور کروڑوں مکانات کو خاکستر بنا دینے کو عملاً صحیح قرار دیا۔ یعنی یہ ثابت کر دیا کہ ظلم کرنے کے لیے جنگ جائز اور دفعِ ظلم کے لیے جہاد ناجائز ہے۔

بوقت شدید ضرورت، اسلامی قانونِ طلاق کا یورپ نے تمسخر اڑایا، لیکن فطرت کی گہری ضرورتوں نے ان کو اس قانون کے تسلیم کرنے پر اس قدر آمادہ کیا کہ ضرورت و بے ضرورت سب صورتوں میں طلاق کا سلسلہ یورپ اور امریکہ میں اس قدر بڑھ گیا ہے کہ یورپ میں فی آٹھ نکاح ایک طلاق اور امریکہ میں فی چار نکاح ایک طلاق تک نوبت پہنچی۔ اسلام کے قانونِ تحریمِ شراب اور تحریمِ سود کو یورپ نے مانعِ ترقی سمجھا، لیکن شراب کی ڈاکٹری تحقیقات کے بعد جب شراب کے مہلک اثرات ظاہر ہوئے تو امریکہ نے کروڑوں ڈالر خرچ کر کے ۱۹۳۷ء میں شراب کی بندش کا اعلان کر دیا۔ لیکن جرم و گناہ پھیلانا آسان کام ہے، روکنا مشکل ہے، اس لیے امریکہ کے تمام احکاماتِ بندشِ شراب بے اثر ثابت ہوئے اور شراب نوشی کی چلائی گاڑی رک نہ سکی اور امریکہ اس میں ناکام ہوا۔

سود نے جب سرمایہ دارانہ نظام کو جنم دیا اور عوام کی معاشی اور اخلاقی حالت تباہ ہوئی تو محققین یورپ نے اس کی قباحت کا احساس کیا، لیکن جو قبیح چیز معاشرے کا جزو بن جائے اس کا ہٹانا حکومت کے بس کی بات نہیں۔ پیغمبر اور نبی کی تعلیم سے ایسا ممکن ہے لیکن حکومت کے قانون سے یہ ممکن نہیں کہ جو برائی معاشرے کی جڑ میں داخل ہو جائے اور اس کو اکھیڑ کر دور پھینکا جائے۔

اسلامی قانون میں عورتوں پر اصلاحِ معاشرہ کے لیے بعض فطری پابندیاں اٹھائی گئی ہیں، یورپ نے اس کو دورِ وحشت و بربریت کی یادگار سمجھا، لیکن جب یورپ کی بے لگام آزادی اور صنفی آوارگی نے وہ شکلیں پیدا کیں کہ جن کے اثر سے عائلی زندگی تباہ ہوئی اور بہت سے شوہروں نے عورتوں کی بے لگامی سے تنگ آ کر خودکشی اختیار کی تو لڈوسی کو اپنی کتاب ''وومین'' میں یہ لکھنا پڑا کہ عورتوں کی آزادی سے پیدا شدہ مشکلات کا واحد حل یہی ہے کہ عورت کو دانایانِ شرق (مسلم قوانین) کی نگہبانی میں کنٹرول کیا جائے۔

سائنس اور مذہب کی دشمنی کا آغاز کب ہوا؟

یورپ نے عرب اور اندلس کے مسلم سائنس دانوں سے علم حاصل کیا، لیکن اگر مسلمانوں کے ذریعے یورپ کو سائنس کی روشنی نہ پہنچتی تو اب تک یورپ کی حالت وہی ہوتی جو افریقہ کے وحشی اقوام کی ہے۔

صنعتِ کاغذ

یورپ پر عربوں کا بڑا احسان کاغذ کا رواج ہے۔ کاغذ کے اصل موجد چینی تھے، لیکن باقاعدہ کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ مسلمانوں نے ہارون رشید کے زمانے میں ۷۹۴ء میں بغداد میں قائم کیا، اس کے بعد مسلمانوں نے دیگر بڑے شہروں میں بھی کاغذ سازی کے کارخانے قائم کیے۔ مثلاً دمشق، مصر، نیشاپور، شیراز، خراساں، مراکش، قرطبہ، غرناطہ، سسلی وغیرہ۔

لیبان، تمدن عرب، صفحہ ۴۳۸ میں لکھتے ہیں کہ کاغذ پر پہلی لکھی ہوئی تحریر جو ۱۰۰۹ء میں لکھی گئی تھی اور جو اسکوریل کے کتب خانے میں محفوظ ہے، یہ کاغذ عربوں سے خریدا گیا تھا۔

قطب نما

قطب نما بھی عربوں کی ایجاد ہے۔ یہ قرونِ اُولیٰ کے تمام تجارتی اور جنگی جہازوں میں لگا ہوا تھا، اسی کا کرشمہ تھا کہ ہمارے جہاز جدہ سے چین تک جاتے تھے، جب یہ چیز ہم نے یورپ کو دی تو اس کو لے کر کولمبس بحر الطانک کی لہروں کو چیرتا ہوا امریکہ جا پہنچا اور واسکوڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔

بارود

مسلمان صدیوں سے بارود استعمال کرتے تھے، سسلی اور سپین کے کارخانوں میں دیگر اسلحۂ جنگ

کے علاوہ ایک مسالہ بوتلوں میں بھرا جاتا تھا، جنھیں مشینوں کے ذریعے دشمن پر پھینکا جاتا تھا۔

توپ

توپ کو سب سے پہلے افریقہ کے سردار یعقوب نے ۱۲۰۵ء میں استعمال کیا۔ یورپ کے مؤرخ، بارود کا موجد راجر بیکن ڈاکٹر کو قرار دیتے ہیں، جو غلط ہے، بیکن نے بارود سازی ایک عربی کتاب 'النیران المحرقہ' جلانے والی گیس سے سیکھی تھی۔ [تمدنِ عرب، صفحہ ۴۳۸، لیبان]

کلاک اور گھڑیاں

ہارون الرشید نے شارلیمان کو ۷۶۸ء میں جو تحائف دیے، اس میں ایک گھڑی بھی تھی، جس میں شمس وقمر حرکت کرتے تھے اور طلوع وغروب کا منظر دکھائی دیتا تھا، ہر گھنٹہ پر ٹن ٹن کی آواز آتی تھی۔

ہوائی جہاز

ول ڈیوران ایج آف فلیتھ، صفحہ ۲۹۸۰ میں لکھتا ہے کہ سپین کے مسلم سائنس دانوں نے تین چیزیں ایجاد کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ اوّل عینک کا شیشہ، دوم وقت ناپنے والی گھڑی، جو کھیلوں اور دوڑوں میں استعمال ہوتی تھی، سوم ایک مشین جو ہوا میں اڑ سکتی تھی۔ اس حکیم کا نام عباس تھا۔

چیچک کا ٹیکہ

چیچک کا ٹیکہ بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ۱۷۲۱ء میں لیڈی وارٹل مارٹینک نے قسطنطنیہ جا کر چیچک کا ٹیکہ سیکھا۔ [ڈریپر کی میراث عرب، صفحہ ۳۴۰]

بعض کاری گر ایسی قیمتی چیزیں بناتے تھے کہ امراء بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ ہارون رشید کا وزیر اعظم یحییٰ بن مالک برمکی بازار سے گزرا، اس کی نظر ایک مرصع صندوقچے پر پڑی، اس نے پسند کیا اور خریدنے کا ارادہ کیا، لیکن قیمت پر اتفاق نہ ہو سکا۔ یحییٰ ستر لاکھ درہم دیتا تھا اور دکان دار زیادہ مانگتا تھا۔ [ایج آف فیتھ، صفحہ ۲۰۸]

مۂ نخشب

نخشب ترکستان میں ایک گاؤں کا نام تھا، جہاں حکم بن ہاشم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس نے ایک چاند بنایا تھا، جو غروبِ آفتاب کے بعد فوراً ایک کنویں سے نکلتا تھا اور تقریباً سو مربع میل علاقہ کو رات بھر روشن کرتا تھا اور طلوعِ آفتاب سے پہلے ڈوب جاتا تھا۔ اس ایجاد کا کمال یہ تھا کہ کوئی موسم بھی ہو، جوں ہی سورج کا آخری حصہ نہاں ہوتا، وہ چاند نکل آتا۔ آدھی رات کو عین سر پر آجاتا اور رفتہ رفتہ اس رفتار سے واپس جاتا کہ اس کا آخری کنارہ کنویں میں غائب ہوتا تو سورج نکل آتا۔ سورج سے کبھی اس کا سامنا نہیں ہوا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے:

چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

مطلب یہ ہے کہ دستِ قضا یعنی خداوند تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ مہِ نخشب کی طرح نکلو اور ڈوبو اور صورت یہ تھی کہ ابھی وہ حسن و جمال میں میرے محبوب کے برابر نہ ہوا تھا۔

مہِ نخشب کا موجد مدعی نبوت بغداد میں ملازم تھا، اس نے بعد میں بغداد میں سائنس پڑھی تھی، جس کی وجہ سے مہِ نخشب ایجاد کیا۔

مسلمانوں کی سائنس میں مہارت کا یہ کمال اس وقت تھا جب یورپ والے کھالیں پہنتے تھے اور جنگلی وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ مسلمانوں نے سائنس میں اتنی ترقی کی تھی کہ انھوں نے ابن الہیثم پیدا کیا، جو دوسو کتابوں کے مصنف ہیں اور جس نے بطلیموس اور اقلیدس کے اس نظریۂ رؤیت کی تردید کی کہ رؤیت اس شعاع سے ہوتی ہے جو آنکھ سے نکل کر مرئی تک جاتی ہے اور کہا کہ مرئی کا عکس آنکھ تک آتا ہے۔ ول ڈیوران، ایج آف فیتھ، صفحہ ۲۸۹ میں لکھتے ہیں کہ راجر بیکن موجدِ دوربین، طبیعات میں بلند مقام رکھتا تھا، لیکن اگر ابن الہیثم نہ ہوتا تو راجر بیکن کا نام ونشان نہ ہوتا۔ ابن الہیثم حسن بن الہیثم بصرہ کا رہنے والا ہے۔

علمِ کیمیا

جابر بن حیان علمِ کیمیا کا بابا آدم سمجھا جاتا ہے، علمِ کیمیا پر اس نے سو کتابیں لکھی ہیں۔ اس کی کتاب ’الکیمیا‘ کے لاطینی اور فرانسیسی میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ مسٹر اوہولس نے جابر کی نو کتابوں کا ترجمہ کیا۔

علم اور قوت میں تلازم ہے، جس قوم میں علم ہو وہ طاقت ور ہوتی ہے اور جس قوم نے علم میں غفلت برتی وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔ علم اور سائنس کی روشنی دنیا میں مسلمانوں سے پھیلی، جب کہ دنیا کی دیگر قومیں غیر مہذب اور جاہل تھیں، بالخصوص یورپی اقوام، لیکن آج اس کے خلاف مسلمان علم اور سائنس سے دور ہیں اور دیگر اقوام بامِ ترقی پر پہنچ گئی ہیں۔ انھوں نے لوہے کو استعمال کر کے وہ قوت حاصل کی، جس کی نظیر نہیں ملتی۔ مسلمان قوت سے بھی محروم ہیں اور لوہے کے استعمال سے بھی، اس لیے اب ہم مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ لوہے اور قوت کی اہمیت اسلام میں کیا ہے؟



سائنس، فلسفہ اور مذہب

لوہے اور قوت کی اہمیت اسلام کی نظر میں

علامہ شمس الحق افغانی

مذاہب عالم میں صرف اسلام کو جو دین فطرت ہے، یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ دین و دنیا کا جامع اور قوت و قانون کا حامل ہے۔ شنتومت جو جاپان کی اکثریت کا مذہب ہے، نہ اس میں دنیوی زندگی کے لیے کوئی جامع قانون موجود ہے اور نہ قوت اور نہ لوہے سے تیار کردہ آلات حرب کی طرف کوئی ترغیب پائی جاتی ہے۔ اس کا سارا زور نفس کشی، چلہ کشی اور دنیا بیزاری پر صرف ہوا ہے، بلکہ اس میں حیات کو دکھ اور موت کو سکھ ثابت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حال کنفیشوس ازم کا ہے، جو چین کی اکثریت کا مذہب ہے، نہ اس میں کوئی ضابطہ حیات ہے، نہ جامع قانون۔ زندگی ترک کردینا اور تجرد کی درویشانہ زندگی اس مذہب کی روح ہے۔ اسی طرح بدھ مذہب جس میں

وھیان گیان کے سوا اور دنیا بیزاری کے سوا کچھ نہیں۔ مسیحیت کی اصلی بنیاد عجز و خاک ساری، تجرد، ترکِ دنیا اور ظالم سے چشم پوشی اور ترکِ مقابلہ پر مبنی ہے۔ انجیل میں ایک گال پر تھپڑ لگانے والے کے آگے دوسرے گال کو پیش کرنے کی تعلیم موجود ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ان چار بڑے عالمی مذاہب میں جامع قانونِ حیات موجود ہے نہ قوت کی تحصیل کی ترغیب پائی جاتی ہے، بلکہ یہ مذاہب ضعف کی حوصلہ افزائی کے حامل ہیں۔

اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے اور جامع قانونِ حیات کا علم بردار ہے اس لیے اسلام نے قوت کے اصلی سرچشمے (لوہے) کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی اور فراہمیٔ اسباب قوت کی فرضیت سے بھی ان کو آگاہ کیا۔ سرچشمۂ قوت یعنی لوہے کی اہمیت کے متعلق قرآن کریم میں لوہے کے نام سے ایک خاص صورت موجود ہے۔ کیوں کہ قرآن میں یہ قاعدہ ہے کہ جس سورت میں متعدد مضامین ہوتے ہیں، تو ان سب میں جو مضمون زیادہ اہم ہو اس کے نام پر سورت کو معنون کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے ستائیسویں پارہ میں ایک سورت کا نام الحدید ہے۔ حدید لوہے کا نام ہے، یعنی لوہے کے ذکر پر مشتمل سورت ہے۔ پوری آیت یہ ہے:

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ٥﴾ ـــ

”ہم نے واضح دلائل کے ساتھ رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ آسمانی کتاب اتاری اور انصاف کا ترازو (شریعت) بھی نازل کیا تا کہ تمام اقوام انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں ہول ناک جنگ کا پورا سامان موجود ہے اور تمام اقوام کے لیے دیگر فائدہ مند سامان بھی موجود ہے اور سب سامان اس لیے کہ اللہ دیکھ لے کہ اللہ اور اس کے رسول کے عادلانہ قانون کی امداد بن دیکھے کون کرتا ہے، بے شک خداوند تعالیٰ قوی اور غالب ہے“ ـــ

اس آیت میں پہلے تمام رسولوں اور پیغمبروں کی رسالت الٰہی کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ وہ کتابِ الٰہی اور شریعت، شریعت ربانی کا نزول ہے جس سے کرۂ ارض اور اقوام عالم کے لیے عالمی انصاف کا ایسا معنوی ترازو پیش کیا گیا ہے کہ جو فعل و عمل اس ترازو پر درست ہو وہ عالمی انصاف کے

مطابق ہے اور جس میں ذاتی یا قومی یا نسلی تفاوت اور کمی بیشی موجود ہو وہ ظالم ہے اور عالمی انصاف کے خلاف ہے، کیوں کہ اس ترازو کے اتارنے والا رب العالمین ہے، صرف رب المسلمین یا رب الاوربین یا رب الایشائین یا رب الامریکین نہیں۔

یہ ترازو یا شریعت آسمانی عالمی انصاف کا ربانی قانون ہے اور قانونِ انصاف پر جب تک عمل نہ ہو اور عالم میں وہ جاری نہ ہو اس وقت تک انصاف ناممکن ہے۔ اس لیے ایسے عالمی انصاف کے لیے قانونِ عدل و امن کے ساتھ قوت کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اعلان کیا کہ قانونِ انصاف کے لیے تمام انسانوں اور اقوام عالم کو اسی عالمی انصاف کے قانون پر قائم کیا جائے اور اس کے آگے گردن نہاد ہونے کے لیے ان کو مجبور کیا جائے۔ اس قانونِ عدل و انصاف کے لیے ضروری ہے کہ خداوند قدوس کے پیدا کردہ سرچشمہ قوت (لوہے) سے استفادہ کیا جائے۔ اس لیے قرآن حکیم نے اعلان کیا کہ ہم نے لوہے کو پیدا کیا کہ اس میں فوجی اور سول دونوں قسم کے فوائد موجود ہیں۔ تمام آلاتِ حرب، رائفل سے لے کر ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تک بنانے میں لوہے کی ضرورت ہے اور تمام بری، بحری اور ہوائی آلاتِ حرب کی تخلیق لوہے سے وابستہ ہے، جس سے فوجی قوت اور اقامتِ عدل میں مدد ملتی ہے۔

اسی طرح سامانِ جنگ کے دیگر موارد بارود وغیرہ خدا نے زمین میں پیدا کیے ہیں۔ فوجی قوت کے ساتھ سول ضروریات کی فراہمی بھی ضروری ہے، وہ بھی لوہے سے وابستہ ہیں۔ ہسپتالوں میں آپریشن وغیرہ کے اوزار، کاٹنے وغیرہ کے لیے چھری، چاقو، مصنوعات کے جوڑنے کے لیے میخ وغیرہ قفل، زنجیر، گھڑیاں، چھری، کانٹے، برتن، ظروف، اوزارِ تعمیر، مکان اور ریلوے لائن کے گاڈر، ریل گاڑی، موٹر، ٹرک کے اجزاء، بجلی کے تار وغیرہ لوہے کے وجود سے وابستہ ہیں، جس کی طرف ﴿مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ کہہ کر ترغیب دلائی گئی اور سامان جنگ کے بنانے کے لیے ﴿فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ﴾ کہہ کر بتایا گیا کہ لوہے سے جنگ کا خطرناک سامان بنایا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں کو بالخصوص لوہے کی فوجی اور سول ضروریات کی فراہمی کی اہمیت کی طرف متوجہ کر دیا گیا۔ اس سے آگے چل کر مذکورہ آیت میں لوہے کے اسلحہ اور ساز و سامان کے استعمال کا صحیح محل بھی متعین کیا، تا کہ یہ سامان ظلم میں استعمال نہ ہو۔ عدل، عالمی انصاف، انسانی حقوق اور خدائی حقوق کے تحفظ کے لیے استعمال ہو۔ کیوں کہ سرکاری سامان سرکاری کام میں استعمال ہونا چاہیے، ذاتی

مقاصد میں استعمال نہ ہونا چاہیے۔

﴿لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ﴾---

تا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ ان آلات کو بن دیکھے اللہ اور رسولوں کے قانونِ عدل میں کون استعمال کرتا ہے اور ان لوہے کے آلات سے کون اللہ اور رسول کے منشاءِ عدل کی امداد کرتا ہے اور کون اللہ کے منشاءِ عدل کے خلاف ان کو استعمال کرتا ہے۔ یعنی ان آلاتِ سرکاری کا استعمال بڑے سرکار، خدا کے کام کے لیے ہونا چاہیے، نہ اس کے خلاف، یعنی اس کے استعمال سے عدل قائم ہو، نہ کہ ظلم۔ تحفظِ حقوقِ انسانی ہو، نہ اتلاف و بربادیٔ حقوقِ انسانی۔ اسی ایک نکتہ سے جنگ عمومی اور جنگ مقدس یعنی جہاد کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ جنگ عمومی، فساد و تخریب ہے اور جہاد میں عالمی اصلاح اور تعمیر ہے۔ بقول اقبال مرحوم:

جنگ شاہانِ جہاں غارت گری است
جنگ مومن سنت پیغمبری است

اس کی مثال ایسی ہے کہ ڈاکو بھی ہاتھ کاٹتا ہے اور ہسپتال میں ڈاکٹر بھی آپریشن کے ذریعے ہاتھ کاٹتا ہے۔ پہلا جنگ عمومی کی طرح تخریبی عمل ہے اور دوسرے جہاد کی طرح اصلاحی عمل ہے۔ پہلا عمل دکھ پہنچانے کے لیے ہے اور دوسرا عمل دکھ ہٹانے کے لیے ہے۔ اسی طرح جب کچھ عالمی عناصر ڈاکو کی طرح راہِ عدل و انصاف میں حائل ہو کر روڑے اٹکاتے ہیں تو اسلام لوہے کے اوزار استعمال کرنے اور جہاد کا حکم دیتا ہے۔ یہ عمل صورتاً ایک جیسا ہے، نتائج و آثار اور مقصد کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ آیت کے اخیر میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ کہہ کر اقوامِ عالم کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر لوہے و دیگر ذخائرِ الٰہی سے تم نے آلاتِ جنگ تیار کر کے اس کو خالق کائنات کے منشاء کے خلاف استعمال کیا تو تم آزاد نہیں ہو، خالقِ عالم کے یدِ قوت کے نیچے ہو اور وہ خالق سب سے قوی اور سب پر غالب ہے، تم کو اس ظالمانہ استعمال کی سزا دے گا کہ تم نے خداوند کریم کے سرکاری سامان کو اس کے منشاء کے خلاف کیوں استعمال کیا؟

ہم نے گزشتہ دو جنگوں میں دیکھ لیا کہ ان آلات کے بے جا استعمال سے خود موجدین آلات کی جانوں، اموال و عمارات کو تباہ کر دیا گیا اور باقی لوگ بحیثیت مجموعی امن میں رہے۔ اب تیسری جنگ کا انتظار ہے، جس سے ان ظالموں اور ان کے مددگاروں اور ان خدا بیزاروں اور

مادہ پرستوں کی بڑی تعداد تباہ ہو کر راکھ ہو جائے گی اور باقی ماندہ انسانوں کا مستقبل بھی صدیوں تک تاریک گڑھے میں پڑ جائے گا۔

لوہا پگھلانے کی صنعت

لوہا اس وقت کارآمد ہو سکتا ہے کہ اس کو پگھلا دیا جائے۔ حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے انعام و اکرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

﴿وَ اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَo﴾---

"ہم نے دستِ قدرت سے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا (تاکہ آگ میں تپانے اور کوٹنے کی تکلیف سے نجات پا جائے)"---

اس آیت میں اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کرنا بطور خرقِ عادت تھا، لیکن قرآن شریف نے اس کو بشکل انعامِ الٰہی اور احسانِ خداوندی پیش کیا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صنعت یا تدبیر جس سے طبعی قوانین کے تحت لوہے کو پگھلا دیا جائے یا نرم کیا جائے، اللہ کا عظیم فضل و احسان ہے اور جو قوم اس فضل و انعام سے محروم ہو، وہ بدقسمت ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی اور دیگر غیر مسلم اقوام لوہے کو پگھلانے اور اس سے آلاتِ جنگ تیار کرنے کی وجہ سے آسمانِ عروج پر پہنچ گئی ہیں، لیکن مسلم اس سے محروم ہیں۔ قرآن نے صرف لوہا پگھلانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لوہے سے متعلق صنعت کی طرف بالخصوص جنگی آلات کی صنعت کی طرف مسلمانوں کو خصوصی توجہ دلائی۔ ارشاد ہوا:

﴿وَ اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَo اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾---

"ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کیا اور کہہ دیا کہ بناؤ اس سے زرہیں سارے بدن پر پورے اور اس کی کڑیوں کو خاص اندازے پر رکھو"---

یعنی نہ اتنے باریک کہ جنگ کی ضرب سے ٹوٹ جائے، نہ موٹے کہ بدن اس کے بوجھ سے دبا رہے، اسی طرح نہ اس قدر کشادہ کہ نیزہ وغیرہ کو اندر گھسنے سے روک ہی نہ سکے اور نہ اس قدر تنگ ہو کہ ہوا کی آمد و رفت بند کر دے۔ لوہے کی نرمی اور لوہے کی صنعت کو قرآن کریم نے فضلِ الٰہی سے تعبیر کیا:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًاo﴾---

''ہم نے داؤد کو فضل سے نوازا''---

اس کے بعد ﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ اور ﴿اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ﴾ کا تذکرہ کر کے لوہے کو نرم کرنا اور اس سے اوزار اور آلات ضرب بنانے کو فضل الٰہی کی تشریح کے طور پر بیان کیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس قرآنی آیت کے باوجود سب اقوام سے زیادہ قرآن پر ایمان رکھنے والی قوم لوہے کی صنعت سے محروم ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا زوال ترک قرآن کا نتیجہ ہے۔ لیکن بعض کج دماغ حضرات کو یورپ نے یہ باور کرایا ہے کہ تمہاری ذلت قرآن ہی کی وجہ سے ہے۔

لوہے سے آلات حرب و دیگر مصنوعات کی تیاری کا قرآنی حکم

سورۂ انفال، پارہ ۱۰ میں ہے:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ٥ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥﴾---

''دشمن کے مقابلے کے لیے تمام اسباب قوت جس قدر تمہارے بس میں ہیں مہیا کرو اور خاص کر پلے ہوئے گھوڑے (جو اس وقت ٹینک کا کام دیتے تھے) تمہاری قوت اس قدر ہو کہ تمہارے موجودہ دشمن جو تم کو اس وقت معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، ان پر ہیبت طاری ہو جائے اور جو کچھ تم اسلام کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا بدلہ ملے گا اور اس میں کوئی کمی نہ کی جائے گی اور اگر دشمن دب کر صلح کی طرف جھک جائے تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ اور کامیابی میں اعتماد اللہ پر رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہارے دشمنوں کی تمام باتیں سنتا ہے اور تمام اعمال سے باخبر ہے''---

اس آیت میں مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

۱ مسلمانوں کے لیے اسباب قوت و غلبہ کی فراہمی کی فرضیت کا اعلان۔

۲ ان اسباب کی فراہمی کی عمومیت کا اعلان کہ جس زمانہ میں جن اسباب سے دشمن پر غلبہ حاصل ہو سکے۔ خواہ وہ ایٹم بم ہو، ہائیڈروجن بم ہو یا جدید آلات حرب کی کوئی قسم ہو۔ اسی طرح مواصلات و راشن و فوجی لباس و خیمے وغیرہ، زخمیوں کے لیے ہسپتال، ادویہ، غذا کے لیے زرعی پیداوار کو

ترقی دینا یا مالی حالت کو درست کرنے کے لیے تجارت وصنعت کو ترقی دینا۔ ایمانی اور اخلاقی قوت کے اضافہ سے قبل بہادروں میں اضافہ کرنا، جدید جنگی فنون میں مہارت، بحری، بری، ہوائی بیڑے کو ترقی دینا، یہ سب امور لفظ قوت میں داخل ہیں۔ کیوں کہ ان امور کی فراہمی سے قوت حاصل ہوتی ہے اور ان سے غفلت کرنے میں ضعف اور تباہی مضمر ہے۔ یہ سب امور لفظ قوت کی تشریح میں داخل ہیں تو قوت حاصل کرنا اسلام میں فرض ہوا جس کے پیش نظر تمام شعبہ ہائے ترقی قرآن مجید کی نظر میں فرض قرار پائے اور فرض بھی اس حد تک جہاں تک مسلمانوں کی بدنی اور مالی مسائل کی رسائی ہے۔

۳ اسلامی قوت اس قدر مضبوط ہو کہ اس وقت جو دشمن ہو اور آئندہ جو قوم دشمنی پر آمادہ ہو کر میدانِ مقابلہ میں آئے تو وہ سب اسلامی قوت سے مرعوب و مرہوب ہو جائے اور مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔

۴ ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لیے مالی قربانی کی ضرورت ہے اور جو مال اس راہ میں صرف ہو اس کا پورا بدلہ اس دنیا میں اور آخرت میں بھی ملے گا اور اس بدلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

۵ اگر دشمن صلح وامن پر آمادہ ہو تو اس سے صلح کر لو اور تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ کیوں کہ اسلام کا مقصد جنگ نہیں، عالمی عدل کا غلبہ مقصود ہے، جو صلح سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ مغلوبانہ صلح نہ ہو اور اس میں انصاف اور عدل اجتماعی ملحوظ ہو۔

﴿وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۝﴾ ——[سورہ ھود، پارہ:۱۲]

”ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، آپ نے پیغام دیا کہ اے میری قوم! اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، تم غیر اللہ کی پرستش میں اس کے سوا کچھ نہیں کرتے مگر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ اے میری قوم! اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اللہ کی طرف توبہ کر کے رجوع کرو (جس کے نتیجے میں اللہ تمہیں دو نعمتیں عطا کر دے گا ایک یہ کہ) خوب مینہ برسا کر تمہاری روزی فراخ کر دے گا (اور دوسری یہ کہ) تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ کر کے تم کو زیادہ

قوی اور طاقت ور بنادے گا اور تم حق سے مجرمانہ روگردانی نہ کرو"---

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا نتیجہ فراخیٔ رزق اور معاشی خوش حالی ہے اور طاقت ور، قوی اور غالب ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ ﷻ کی دو بڑی نعمتیں ہیں۔ آج مسلمان ان دونوں نعمتوں سے محروم ہیں، نہ ان کو معاشی خوش حالی حاصل ہے، نہ قوت اور غلبہ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایمانی قوت میں کمزوری واقع ہے اور وہ کمزوری یہ ہے کہ:

۱ ان کے پاس نہ دین کا علم ہے نہ دنیا کا۔ قرآن نے کہا ہے:

﴿هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ٥﴾---

"کیا علم سے بہرور قوم اور بے بہرہ قوم برابر ہوسکتی ہے؟ (قطعاً نہیں ہوسکتی)"---

۲ ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَ لَا تَفَرَّقُوْا﴾---

"تم دین کی رسی کو مضبوط پکڑ کر ایک ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہو اور فرقہ واریت مسلمانی اختیار مت کرو"---

خواہ نسل کے ذریعے ہو یا جغرافیائی حد بندی کی وجہ سے ہو یا لسانی اور سیاسی نظریات کی وجہ سے ہو۔

۳ ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾---

"تم اپنی کوشش اور جدوجہد کی آخری حد تک ہر قسم کا سامانِ قوت تیار کرو"---

یہ تین اصول جو اسلام کے ہیں، ان پر دور حاضر کی غالب اقوام بالخصوص روس، امریکہ اور چین کا عمل ہے۔ دنیوی اور سائنسی علوم میں جو در اصل مسلمانوں کے علوم تھے، دیگر اقوام سے فائق اور برتر ہیں۔ اتحاد و اتفاق میں بھی ان کو برتری حاصل ہے، جنگی اور ہر قسم کے سامانِ قوت میں اور میدانِ جدوجہد میں سب سے آگے ہیں، لیکن مسلمانوں کے پاس نہ سائنس کا علم ہے نہ وہ کسی چیز کے موجد ہیں، نہ ان میں اتفاق واتحاد ہے، نہ سامانِ قوت کی فراہمی کے لیے ان میں جدوجہد کی تڑپ ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بھی غلبہ وقوت کے لیے جو ضابطہ ہے وہ اسلامی تعلیم کے یہ تین اصول ہیں جو قوم ان کو اپنائے گی وہ غالب اور قوی رہے گی، خواہ اس قوم کی تہذیب وزبان انگریزی ہو یا روسی و چینی اور جو قوم ان کو چھوڑ دے گی ضعیف اور کمزور ہوگی، خواہ اس کا کوئی مذہب، کوئی زبان اور کوئی تہذیب ہو۔ لہٰذا قوت اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنی تہذیب وزبان بدلنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ترمیم مذہب کی ضرورت ہے،

بلکہ ان کو اپنے مقدس اور فطری دین کے ان تین اصولوں کو اپنانے کی ضرورت ہے، جس کی وجہ سے غیر مسلم اقوام ترقی کے آسمان پر چڑھ گئی ہیں۔ سورۂ ہود، پارہ:۱۲ میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُo﴾ ———

اسلام اور قرآن نے مسلمان کو یہ تصور بخشا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی صفات و کمالات کے متعلق اس نے تصور قائم کیا۔ وہ سب کمالات کا ایک بہترین نمونہ اور ان کمالات کا نمونہ مسلمان کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "المقصد فی اسماء الحسنیٰ" میں "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" کے تحت الٰہی اخلاق اور اوصاف کا نمونہ اپنے اندر کسی نہ کسی صورت میں پیدا کر کے اللہ تعالیٰ ﷻ سے مناسبت اور قرب پیدا کرنے کا مضمون تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جو قوم ان کمالات کا نمونہ اپنے اندر رکھتی ہے وہ کامیاب ہے۔ اگر ایمان بھی ہو تو مکمل کامیابی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ مومن اللہ کا وصف ہے۔ ﴿اَلسَّلَامُ الْمُؤْمِنُ﴾ قرآن میں سورۂ حشر میں موجود ہے اور اگر ایمان نہ ہو تو صرف دنیوی کامیابی اسے نصیب ہو گی، اخروی نہیں۔ ان اوصاف و کمالات الٰہیہ میں سے دو کمال آیت مندرجہ بالا میں مذکور ہیں:

۱ قوی، یعنی اللہ تعالیٰ قوت والا ہے۔

۲ عزیز، یعنی اللہ تعالیٰ غالب ہے، کمزور نہیں۔

دو دیگر کمالات دیگر آیات میں مذکور ہیں:

۳ ﴿وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo﴾ ———

"اللہ کو ہر شے کا علم ہے" ———

۴ صانع ہے:

﴿صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ﴾ ———

"کائنات اللہ کی تخلیق ہے، جس نے پوری حکمت کے ساتھ ہر چیز کو درست کیا" ———

آج ان چاروں کمالات کے نمونے سے مسلمان قوم خالی ہے۔ نہ قوت ہے، نہ غلبہ، نہ علم، نہ صنعت، لیکن دیگر اقوام میں کسی نہ کسی درجہ میں یہ امور موجود ہیں۔ جامع صغیر میں شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث نقل کی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْقَوِیَّ ———

"خدا پسند کرتا ہے قوی ایمان دار فرد و جماعت کو"۔۔۔

جو ایمان سے موصوف ہو اور قوی ہو، وہ اللہ کو محبوب ہے، اللہ کا محبوب ہونا کتنی بڑی نعمت ہے؟

جنگ کے فلسفے کے تحت لوہے اور قوت کی ضرورت

انسان شخصی طور پر تین چیزوں کا محتاج ہے:

۲ خوراک، جس میں ہر قسم کی خوردنی چیزیں بھی داخل ہیں۔

۳ پوشاک، جس میں ہر قسم کے پہننے کی چیزیں داخل ہیں۔

۴ مسکن، جس میں رہائش کے لیے ہر قسم کی عمارات داخل ہیں۔

ہر شخص کی ذاتی زندگی ان امور کے بغیر نامکمل ہے اور یہ تینوں چیزیں زمین سے وابستہ ہیں۔ خوراک، پانی، اونی وریشمی کپڑا، عمارات کی لکڑی، گاڈر، چونا، سیمنٹ سب زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ چوں کہ انسان پر موت مسلط ہے، اس لیے نوعِ انسانی کی بقا کے لیے یہ ضروری ہے کہ فوت شدہ انسانوں سے عالم بشری میں جو کمی واقع ہو اس کو توالد و تناسل کے ذریعے پورا کیا جائے تا کہ نسل انسانی منقطع نہ ہو۔ اس لیے انسان کے لیے ان تین شخصی ضروریات کے علاوہ ایک چوتھی جنسی ضرورت کا سامان بھی ضروری ہے یعنی منکوحہ بیوی، تا کہ اس کے ذریعے اولاد پیدا ہو کر نسل قائم رہے۔ ان چاروں چیزوں کی طرف انسان میں طبعی میلان موجود ہے اور انسان کا ہر فرد و جماعت جد و جہد میں مصروف ہے کہ اپنی خداداد طبعی میلان اور قوت نزوعیہ کے ذریعے ان مذکورہ فوائد کو حاصل کرے اور ان کو اپنے لیے مختص کر دے۔ یہی فوائد چوں کہ سب انسانوں کو مشترک مطلوب ہیں، اس لیے ہر کوئی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، اس لیے ان میں مذکورہ فوائد کی تحصیل کے لیے کش مکش، منازعت و مخاصمت پیدا ہوگی، جس سے ہر فرد دوسرے کو ہٹانے اور خود قابض ہونے کی سعی کرے گا۔ اس سعی کے لیے قدرت نے انسان کے اندر ایک اندرونی قوت مدافعت یعنی قوت غضبیہ رکھی ہے، جس کے استعمال سے افراد و اقوام میں جنگ ناگزیر ہوگی۔ جنگ کی کامیابی کے لیے لوہے کے اوزار کے ذریعے قوت حاصل کرنا ضروری ہے، اس لیے لوہے کے استعمال کے لیے اقوام عالم میں تقابلی دوڑ شروع ہوگئی، جو قوم لوہے کی قوت سے زیادہ استفادہ کرے گی، وہی سب سے زیادہ کامیاب ہوگی۔



نقطۂ نظر

اسلام اور ''غامدیت''

---ایک تقابل

تحقیق وتنقید: محمد رفیق چودھری

ٹی وی کے دانش ور جناب جاوید احمد غامدی صاحب (بی اے آنرز، فلسفہ) کے نظریات، دین اسلام کے مسلمہ، متفقہ اور اجماعی عقائد و اَعمال سے کس قدر مختلف ہیں اور اُن کی راہ اُمتِ مسلمہ اور علمائے اسلام سے کتنی الگ اور جداگانہ ہے، اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے ذیل میں اُن کی تحریروں پر مبنی ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، جس کے مطالعے سے آپ خود یہ فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ علمائے اسلام اور غامدی صاحب میں سے کون حق پر ہو سکتا ہے؟

جائزہ میں سب سے پہلے قرآنِ کریم، پھر سنتِ نبوی اور مصادرِ دین سے متعلقہ دیگر اُمور وغیرہ کی ترتیب پیشِ نظر رکھی گئی ہے:

غامدی صاحب کے عقائد و نظریات	متفقہ اسلامی عقائد و اعمال
1......قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے۔ باقی سب قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔	1......قرآن مجید کی سات یا دس (سبعہ یا عشرہ) قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں۔
2......قرآن کا ایک نام 'میزان' بھی ہے۔	2......'میزان' قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام نہیں ہے۔
3......قرآن کی متشابہ آیات کا بھی ایک واضح اور قطعی مفہوم سمجھا جاسکتا ہے۔	3......قرآن کی متشابہ آیات کا واضح اور قطعی تفصیلی مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔
4......سورۂ نصر مکی ہے۔	4......سورۂ نصر مدنی ہے۔

1...... (الف) ''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب [مراکش، الجزائر، لیبیا، تیونس، سوڈان وغیرہ] کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے'' ---[میزان، صفحہ ۲۵، ۲۶، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

(ب) ''یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے۔ اس کے علاوہ سب قراءتیں فتنۂ عجم کے باقیات ہیں'' ---[میزان، صفحہ ۳۲، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

2......(الف) ''قرآن میزان ہے'' ---[برہان، صفحہ ۱۴۰]

(ب) ''﴿اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ﴾ [الشوریٰ، ۴۲: ۱۷] ''اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اُتاری یعنی میزان نازل کی ہے'' اس آیت میں و المیزان سے پہلے 'و' تفسیر کے لیے ہے۔ اس لیے المیزان درحقیقت یہاں 'الکتاب' ہی کا بیان ہے'' ---[میزان، صفحہ ۲۲، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

3...... ''یہ بات ہی صحیح نہیں ہے کہ محکم اور متشابہ کو ہم پورے یقین کے ساتھ ایک دوسرے سے ممیز نہیں کر سکتے یا متشابہات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ متشابہات کا مفہوم سمجھنا ممکن نہیں ہے'' ---[میزان، صفحہ ۳۴، ۳۵، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

4...... ''سورۂ کافرون کے بعد اور لہب سے پہلے، اس سورۃ [النصر] کے مقام سے واضح ہے کہ سورۂ کوثر کی طرح یہ بھی، اُم القریٰ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلہ ہجرت و براءت میں آپ کے لیے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے'' ---

[البیان، صفحہ ۲۵۲، مطبوعہ ستمبر ۱۹۹۸ء]

5......قرآن میں "اصحاب الاخدود" سے مراد دورِ نبوی کے قریش کے فراعنہ ہیں۔	5......اصحاب الاخدود کا واقعہ بعثتِ نبوی سے بہت پہلے زمانے کا ہے۔
6......سورۂ لہب میں ابولہب سے مراد قریش کے عام سردار ہیں۔	6...... ابولہب سے نبی کریم ﷺ کا کافر چچا مراد ہے۔
7......اصحاب الفیل کو پرندوں نے ہلاک نہیں کیا تھا بلکہ وہ قریش کے پتھراؤ اور آندھی سے ہلاک ہوئے تھے۔ پرندے صرف ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے آئے تھے۔	7...... اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفیل پر ایسے پرندے بھیجے، جنہوں نے اُن کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔
8......سنت قرآن سے مقدم ہے۔	8......قرآن سنت سے مقدم ہے۔

5......"یہ ﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ، النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ﴾ [البروج:۴،۵] قریش کے اُن فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لیے ظلم و ستم کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ اُنہیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اس گھاٹی میں پھینک دیے جائیں گے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے"---[البیان، صفحہ ۱۵۷، طبع ستمبر ۱۹۹۸ء]

6......"﴿تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ﴾ "ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا" (تفسیر) "بازو ٹوٹ گئے" یعنی اُس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے اور اس کی سیاسی قوت ختم ہو گئی"---[البیان، صفحہ ۲۶۰، مطبوعہ ستمبر ۱۹۹۸ء]

7......"اللہ تعالیٰ نے ساف و حاصب کے طوفان سے اُنہیں (اصحاب الفیل کو) اس طرح پامال کیا کہ کوئی اُن کی لاشیں اُٹھانے والا نہ رہا۔ وہ میدان میں پڑی تھیں اور گوشت خور پرندے اُنہیں نوچنے اور کھانے کے لیے اُن پر جھپٹ رہے تھے.......... آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمہاری (قریش کی) مدافعت اگرچہ ایسی کمزور تھی کہ تم پہاڑوں میں چھپے ہوئے، اُنہیں کنکر پتھر مار رہے تھے، لیکن جب تم نے حوصلہ کیا اور جو کچھ تم کر سکتے تھے، کر ڈالا، تو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق تمہاری مدد کی اور ساف و حاصب کا طوفان بھیج کر اپنی ایسی شان دکھائی کہ اُنہیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا"---[البیان، تفسیر سورۂ الفیل، صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱]

8......"سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن سے مقدم ہے"---

[میزان، صفحہ ۵۲، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

9......سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔	9......سنت میں نبی ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (خاموش تائیدیں) سب شامل ہیں اور وہ محمد ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔
10......سنت صرف ستائیس اعمال کا نام ہے۔	10......سنتیں سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

9......(الف) ''سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں۔ علمی نوعیت کی کوئی چیز بھی سنت نہیں ہے، اس کا دائرہ کرنے کے کام ہیں''---

[میزان، صفحہ ۶۵، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

(ب) ''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے''---[میزان، صفحہ ۱۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

10......اس (سنت) کے ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

1......اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا، 2......ملاقات کے موقع پر 'السلام علیکم' اور اس کا جواب، 3......چھینک آنے پر 'الحمد للّٰہ' اور اس کے جواب میں 'یرحمک اللّٰہ'، 4......نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت، 5......مونچھیں پست رکھنا، 6......زیر ناف کے بال مونڈنا، 7......بغل کے بال صاف کرنا، 8......لڑکوں کا ختنہ کرنا، 9...... بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا، 10...... ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، 11...... استنجا، 12......حیض و نفاس میں زن و شوہر کے تعلق سے اجتناب، 13......حیض و نفاس کے بعد غسل، 14......غسل جنابت، 15......میت کا غسل، 16......تجہیز و تکفین، 17......تدفین، 18......عید الفطر، 19......عید الاضحیٰ، 20......اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تزکیہ، 21......نکاح و طلاق اور اس کے متعلقات، 22......زکوٰۃ اور اس کے متعلقات، 23......نماز اور اس کے متعلقات، 24......روزہ اور صدقہ فطر، 25......اعتکاف، 26......قربانی، 27......حج و عمرہ اور ان کے متعلقات۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے''---[میزان، صفحہ ۱۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

11 ......ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ان دونوں کا ثبوت اجماع اور عملی تواتر سے ہوتا ہے۔	11 ......ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں واضح فرق ہے۔سنت کے ثبوت کے لیے تواتر، اجماع شرط نہیں۔
12 ...... حدیثِ رسول ﷺ سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔	12 ......حدیثِ رسول ﷺ سے بھی اسلامی عقائد اور اعمال ثابت ہوتے ہیں۔
13 ......حضور ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کوئی بھی اہتمام نہیں کیا۔	13 ......رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے بہت اہتمام کیا تھا۔
14 ...... ابن شہاب زہری کی کوئی روایت بھی قبول نہیں کی جاسکتی،وہ نا قابل اعتبار راوی ہیں۔	14 ......امام ابن شہاب زہری روایتِ حدیث میں ثقہ اور معتبر راوی ہیں اور ان کی روایات قابل قبول ہیں۔

---

11 ......"سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے"---[میزان، صفحہ ۱۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

12 ......"اس [حدیث] سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا"---

[میزان، صفحہ ۶۴، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

13 ......"نبی ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحبِ علم اُنہیں ماننے سے انکار نہیں کرسکتا۔ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا"---

[میزان، حصہ دوم، صفحہ ۶۸، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

14 ......"ان (امام ابن شہاب زہری) کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہوسکتی"---[میزان، صفحہ ۳۱، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

15 ...... دین کے مصادر قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنتِ ابراہیمی اور قدیم صحائف بھی ہیں۔	15 ...... دین وشریعت کے مصادر و مآخذ قرآن، سنت، اجماع اور اجتہاد ہیں۔
16 ...... نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔	16 ...... جو شخص دین کے بنیادی اُمور یعنی ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اُسے کافر قرار دیا جاسکتا ہے۔
17 ...... ریاست کسی بھی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر سکتی ہے۔	17 ...... اسلامی ریاست کسی چیز یا شخص کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کرسکتی۔
18 ...... بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔	18 ...... بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔
19 ...... اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل نفس، فساد فی الارض) پر دی جاسکتی ہے۔	19 ...... اسلامی شریعت میں موت کی سزا بہت سے جرائم پر دی جاسکتی ہے۔

---

15 ...... ''قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:

1 ...... دین فطرت کے حقائق، 2 ...... سنتِ ابراہیمی، 3 ...... نبیوں کے صحائف'' ---

[میزان، طبع دوم، صفحہ ۴۸، مطبوعہ اپریل ۲۰۰۲ء]

16 ...... ''کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے، یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں'' --- [ماہنامہ اشراق، دسمبر ۲۰۰۰ء، صفحہ ۵۴، ۵۵]

17 ...... ''ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی، اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے، ان کے لیے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کرسکتی ہے'' --- [قانونِ عبادات، ص ۱۱۹، طبع اپریل ۲۰۰۵ء]

18 ...... ''بنی ہاشم کے فقراء و مساکین کی ضرورتیں بھی زکوٰۃ کے اموال سے اب بغیر کسی تردّد کے پوری کی جاسکتی ہیں'' --- [قانون عبادات، صفحہ ۱۱۹، طبع اپریل ۲۰۰۵ء]

19 ...... (الف) ''ان دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) کے سوا، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے'' ---

[برہان، صفحہ ۱۴۳، طبع چہارم جون ۲۰۰۶ء]

20......دیت کا قانون وقتی اور عارضی تھا۔	20......دیت کا حکم اور قانون ہمیشہ کے لیے ہے۔
21......قتل خطا میں دیت کی مقدار تبدیل ہو سکتی ہے۔	21......قتل خطا میں دیت کی مقدار میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔
22......عورت اور مرد کی دیت برابر ہے۔	22......عورت کی دیت، مرد کی دیت سے آدھی ہے۔
23......اب مرتد کی سزائے قتل باقی نہیں ہے۔	23......اسلام میں مرتد کے لیے قتل کی سزا ہمیشہ کے لیے ہے۔

(ب) ''اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے'' ---[میزان، صفحہ ۲۸۳، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

20...... چناں چہ اس (قرآن) نے اس (دیت کے) معاملے میں 'معروف' کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ قرآن کے اس حکم کے مطابق ہر معاشرہ اپنے ہی معروف کا پابند ہے۔ ہمارے معاشرے میں دیت کا کوئی قانون چوں کہ پہلے سے موجود نہیں ہے، اس وجہ سے ہمارے اربابِ حل وعقد کو اختیار ہے کہ چاہیں تو عرب کے اس دستور کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اس کی کوئی دوسری صورت تجویز کریں، وہ جو صورت بھی اختیار کریں گے، معاشرہ اسے قبول کر لیتا ہے تو ہمارے لیے وہی 'معروف' قرار پائے گی---[برہان، صفحہ ۱۸، ۱۹، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء]

21، 22...... ''اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا ہمیشہ کے لیے تعین نہیں کیا، نہ عورت اور مرد، غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے'' ---[برہان، صفحہ ۱۸، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء]

23...... ''لیکن فقہا کی یہ رائے (کہ ہر مرتد کی سزا قتل ہے) محل نظر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم (کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اُسے قتل کر دو) تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا، بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں اُمیین یا مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے'' ---

[برہان، صفحہ ۱۴۰، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء]

24......زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ، دونوں کی سزا صرف سو کوڑے ہے۔	24......شادی شدہ زانی کی سزا از روئے سنت سنگ ساری ہے۔
25......شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔	25......شراب نوشی کی شرعی سزا ہے، جو اجماع کی رو سے ۸۰ کوڑے مقرر ہے۔
26......عورت کی گواہی حدود کے جرائم میں بھی معتبر ہے۔	26......حدود کے جرائم میں عورت کی شہادت مرد کی طرح نہیں بلکہ قرائن میں شامل ہے۔
27......صرف عہد نبوی کے عرب مشرکین اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے وارث نہیں ہوسکتے۔	27......کسی زمانہ کا کوئی کافر کسی مسلمان کا بھی وارث نہیں ہوسکتا۔

24......"سورۂ نور میں زنا کے عام مرتکبین کے لیے ایک متعین سزا ہمیشہ کے لیے مقرر کردی گئی۔ زانی مرد ہو یا عورت، اس کا جرم اگر ثابت ہوجائے تو اس کی پاداش میں اسے سو کوڑے مارے جائیں گے"---[میزان، صفحہ ۲۹۹-۳۰۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

25......(الف) "یہ بالکل قطعی ہے کہ حضور ﷺ نے اگر شراب نوشی کے مجرموں کو پٹوا دیا تو شارع کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت سے پٹوایا اور آپ کے بعد آپ کے خلفا نے بھی ان کے لیے چالیس کوڑے اور اسی کوڑے کی یہ سزائیں اسی حیثیت سے مقرر کی ہیں۔ چناں چہ ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی حد نہیں، بلکہ محض تعزیر ہے، جسے مسلمانوں کا نظم اجتماعی، اگر چاہے تو برقرار رکھ سکتا اور چاہے تو اپنے حالات کے لحاظ سے اس میں تغیر و تبدل کرسکتا ہے"---[برہان، صفحہ ۱۳۹، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء]

(ب) "یہ (شراب نوشی پر ۸۰ کوڑوں کی سزا) شریعت ہرگز نہیں ہوسکتی"---
[برہان، صفحہ ۱۳۸، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء]

26......حدود کے جرائم ہوں یا ان کے علاوہ کسی جرم کی شہادت، ہمارے نزدیک یہ قاضی کی صواب دید پر ہے کہ وہ کس کی گواہی قبول کرتا ہے اور کس کی گواہی قبول نہیں کرتا۔ اس میں عورت اور مرد کی تخصیص نہیں ہے"---[برہان، صفحہ ۲۷، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء]

27......"نبی ﷺ نے اسی (قرابت نافعہ) کے پیش نظر جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا:

لا یرث المسلم الکافر و لا الکافر المسلم---[بخاری، رقم ۶۷۶۴]

28......اگر میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں وارث ہوں تو اُن کو والدین یا بیوی شوہر کے حصوں سے بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا۔	28......میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں ہی ہوں تو ان کو کل ترکے کا دو تہائی حصہ دیا جائے گا۔
29......سور کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اوران کا استعمال ممنوع نہیں۔	29......سور نجس العین ہے لہٰذا اس کی کھال اور اجزاے بدن کا استعمال اور تجارت جمہور کے نزدیک حرام ہے۔

''نہ مسلمان ان میں سے کسی کافر کے وارث ہوں گے اور نہ یہ کافر کسی مسلمان کے''---

یعنی اتمامِ حجت کے بعد جب یہ منکرین حق خدا اور مسلمانوں کے کھلے دشمن بن کر سامنے آگئے ہیں تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر قرابت کی منفعت بھی ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ چناں چہ یہ اب آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے''---[میزان، صفحہ ۱۷۱، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

28......(الف) ''اولاد میں دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہی ہوں تو اُنہیں بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی دیا جائے گا''---[میزان، حصہ اوّل، صفحہ ۷۰، طبع مئی ۱۹۸۵ء]

(ب) ''وہ سب (والدین اور زوجین کے حصے) لازماً پہلے دیے جائیں گے اور اس کے بعد جو کچھ بچے گا، صرف وہی اولاد میں تقسیم ہوگا۔ لڑکے اگر تنہا ہوں تو اُنہیں بھی یہی ملے گا اور لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے لیے بھی یہی قاعدہ ہوگا۔ اسی طرح میت کی اولاد میں اگر تنہا لڑکیاں ہی ہوں تو اُنہیں بھی اس بچے ہوئے ترکے ہی کا دو تہائی یا آدھا دیا جائے گا، ان کے حصے پورے ترکے میں سے کسی حال میں ادا نہ ہوں گے''---[میزان، صفحہ ۱۶۸، طبع اپریل ۲۰۰۲ء]

29......(الف) ''اُن علاقوں میں جہاں سور کا گوشت بطورِ خوراک استعمال نہیں کیا جاتا، وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اجزا کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا''---[ماہنامہ 'اشراق'، اکتوبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۷۹]

(ب) ''یہ سب چیزیں (خون، مردار، سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ) جس طرح کہ قرآن کی ان آیات سے واضح ہے، صرف خورد ونوش کے لیے حرام ہیں۔ رہے ان کے دوسرے استعمالات تو وہ بالکل جائز ہیں''---[میزان، صفحہ ۳۲۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء]

30......عورت کے لیے دوپٹہ پہننا شرعی حکم نہیں۔	30......عورت کے لیے دوپٹہ اور اوڑھنی پہننے کا حکم قرآن کی سورۃ النور:۳۱ سے ثابت ہے۔
31......کھانے کی صرف چار چیزیں ہی حرام ہیں: خون، مردار، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ۔	31...... ان کے علاوہ کھانے کی بہت سی اور چیزیں بھی حرام ہیں، جیسے کتے، درندوں، شکاری پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت وغیرہ
32......عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ (غامدی اور قادیانی وغیرہ)	32......حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اُٹھا لیے گئے۔ وہ قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

30...... ''دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں''---

[ماہنامہ اشراق، شمارہ مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۴۷]

31...... ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے (انسان کو) بتایا کہ سوٴر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ قرآن نے بعض جگہ ﴿قُلْ لَّا اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ﴾ اور بعض جگہ 'اِنَّمَا' کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں''---

[میزان، صفحہ ۳۱۱، طبع اپریل ۲۰۰۲ء]

32......(الف) ''حضرت مسیح علیہ السلام کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو فرشتوں نے اُن کی روح ہی قبض نہیں کی، اُن کا جسم بھی اُٹھا لے گئے کہ مبادا یہ سرپھری قوم اس کی توہین کرے''---[میزان، حصہ اوّل، صفحہ ۲۲، مطبوعہ ۱۹۸۵ء]

(ب) مسیح علیہ السلام کو جسم و روح کے ساتھ قبض کر لینے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے کہا: اے عیسیٰ! میں تجھے قبض کر لینے والا ہوں......''---

[میزان، حصہ اوّل، صفحہ ۲۳، ۲۴، مطبوعہ ۱۹۸۵ء]

33...... یاجوج ماجوج اور دجال سے مراد مغربی اقوام ہیں۔	33...... یاجوج ماجوج اور دجال قربِ قیامت کی دو الگ الگ نشانیاں ہیں۔ احادیث کی رُو سے دجال ایک یہودی شخص ہوگا، جو دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔
34...... جہاد وقتال کے بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔	34...... جہاد وقتال ایک شرعی فریضہ ہے۔
35...... کافروں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم اب باقی نہیں رہا اور اب مفتوح کافروں سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا۔	35...... کفار کے خلاف جہاد کا حکم ہمیشہ کے لیے ہے اور مفتوح کفار (ذمیوں) سے جزیہ (ٹیکس) لیا جاسکتا ہے۔

غامدی صاحب کے چند مزید اجتہادات

1 عورت مردوں کی امامت کراسکتی ہے۔ [دیکھیے: ماہنامہ 'اشراق'، مئی ۲۰۰۵، صفحہ ۳۵ تا ۴۶]

2 مرد اور عورتیں برابر کھڑے ہوکر باجماعت یا انفرادی دونوں طرح سے نماز ادا کرسکتے ہیں۔ غامدی صاحب کے ایک شاگرد سکالر سے سوال کیا گیا، کیا مرد اور عورت اکٹھے کھڑے ہوکر

33...... ''ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کے قریب یاجوج ماجوج ہی کے خروج کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج ماجوج کی اولاد یہ مغربی اقوام، عظیم فریب پر مبنی فکر وفلسفہ کی علم بردار ہیں اور اسی سبب سے نبی ﷺ نے اُنہیں دجال (عظیم فریب کار) قرار دیا ہے۔ روایات میں دجال کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کی ایک آنکھ خراب ہوگی۔ یہ بھی درحقیقت مغربی اقوام کی انسان کے روحانی پہلو سے پہلوتہی اور صرف مادّی پہلو کی جانب جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا بھی غالباً مغربی اقوام کے سیاسی عروج ہی کے لیے کنایہ ہے''--- [ماہنامہ اشراق، جنوری ۱۹۹۶ء، صفحہ ۶۱]

34...... ''اُنہیں (نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو) قتال کا جو حکم دیا گیا، اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے''---

[میزان، صفحہ ۲۶۴، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

35...... ''یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے اُنہیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہے''--- [میزان، صفحہ ۲۷۰، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

با جماعت نماز ادا کر سکتے ہیں؟ تو اس کا یہ جواب دیا گیا:

"مرد اور عورت کھڑے ہو کر با جماعت یا انفرادی، دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا......الخ"---

(www.urdu.understanding-islam.org)

3 اجنبی مردوں کے سامنے عورت بغیر چادر اوڑھے یا بغیر دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر لیے آ جا سکتی ہے۔

4 مردوں کے لیے داڑھی رکھنا دین کی رُو سے ضروری نہیں۔ جیسا کہ المورد کے ایک ریسرچ سکالر لکھتے ہیں:

"عام طور پر اہلِ علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں، تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا، لہٰذا دین کی رو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں"---(www.urdu.understanding-islam.org)

5 ہندو مشرک نہیں ہیں۔ چناں چہ غامدی صاحب کے ایک شاگرد "کیا ہندو مشرک ہیں؟" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک مشرک وہ شخص ہے جس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہو۔ چوں کہ اب کسی ہندو کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہے، لہٰذا اسے مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا ہے......الخ"---

(www.urdu.understanding-islam.org)

6 مسلمان لڑکی کی شادی غیر مسلم لڑکے سے جائز ہے۔ حلقہ غامدی کے ایک صاحب لکھتے ہیں:

"ہماری رائے میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا"---(www.urdu.understanding-islam.org)

7 ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے، اس لیے جائز ہے۔ 'المورد' کے انگریزی مجلّہ رینی ساں کے شمارہ اگست ۲۰۰۵ء میں اس موضوع پر ایک مکمل مضمون شائع کیا گیا ہے۔

8 اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملتا ہو تو سود پر قرضہ لے کر گھر بنانا جائز اور حلال ہے۔

9 قیامت کے قریب کوئی امام مہدی نہیں آئے گا۔ [ماہنامہ اشراق، جنوری ۱۹۹۶ء، صفحہ ۶۰]

10 افغانستان اور عراق پر امریکہ حملے جائز اور درست ہیں۔

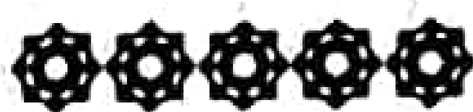
11 اسامہ بن لادن اور ملا عمر، دونوں انتہا پسند اور دہشت گرد ہیں۔ ان کا موقف شرعی طور پر درست نہیں ہے۔

12 مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں، یہودیوں کا حق ہے۔

[ماہنامہ اشراق، جولائی و اگست ۲۰۰۳ء]

13 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا انکار وغیرہ وغیرہ۔ [ماہنامہ اشراق، جنوری ۱۹۹۶ء، صفحہ ۶۰]

[بہ شکریہ ماہنامہ محدث، لاہور]



وفیات

گزشتہ دنوں:

فاضل دار العلوم حنفیہ فریدیہ مولانا محمد رمضان نوری، ٹھوکر نیاز بیگ لاہور---

مولانا محمد زبیر نوری، ساہیوال کے بھائی---

مولانا محمد یوسف نوری، بھڈال اتاڑ حویلی لکھا کی ہمشیر محترمہ---

قاری دل میر حسین نوری، منڈی احمد آباد کا بیٹا---

حافظ محمد افضل نوری، منڈی مریدکے کی خالہ محترمہ---

مولانا محمد صدیق نظامی، اوکاڑا کی قریبی عزیزہ---

قاری فلک شیر نوری، مدرس دار العلوم کے تایا جان---

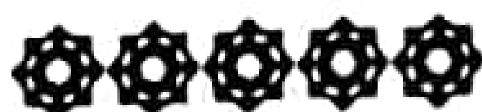
قاری نذیر احمد نوری، مدرس شعبہ حفظ القرآن دار العلوم کا بیٹا---

حاجی عبد الغنی کریانہ سٹور بصیر پور کے بیٹے اور غلام قادر، A.G آفس اوکاڑا کے والد---اور شیر محمد، غلام حیدر اور حافظ محمد محسن، کوٹ لکھپت لاہور کی والدہ محترمہ اور ماسٹر جاوید احمد نوری، بصیر پور کی پھوپھی صاحبہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



قسط اوّل

چیئرمین اسلامی ''نظر آتی'' کونسل پاکستان

ڈاکٹر خالد مسعود کا تصورِ دین

پروفیسر محمد الیاس اعظمی

وطن عزیز یوں تو اپنے قیام کے پہلے ہی دن سے طالع آزماؤں کی کرشمہ طرازیوں کے باعث ابتلاؤں اور آزمائشوں کے وسیع سمندر عبور کرتا آ رہا ہے، اس کے بانی حضرت قائداعظم اپنی معنوی اولاد پاکستان، جو اپنی زندگی کی دوسری بہار ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کو حالت یتیمی میں چھوڑ کر ۱۱ رستمبر ۱۹۴۸ء کو راہیٔ ملک دوام ہوئے تو اس کے ساتھ ہی اس یتیم و بے سہارا نومولود ملک پر اپنوں اور غیروں کی طرف سے مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایوان اقتدار کے حصار میں محصور مفاد پرست حکمرانوں اور فوجی ڈکیٹٹروں کی خون آشام سرگرمیوں کے نتیجہ میں اس کا مشرقی بازو بھی کٹ گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب ابھی اس جوان رعنا پاکستان نے اپنے شباب کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا اور اس کی عمر چوبیس بہاریں دیکھ کر پچیسویں بہار دیکھ رہی تھی۔ ایک ستم گر کے لگائے ہوئے

زخم ابھی بھرتے نہیں کہ دوسرا ظالم اور ستم گر اپنے ظلم وستم کا کلہاڑا اٹھائے کھڑا ہوتا ہے، لیکن پھر بھی یہ ہمت کا کوہ گراں پاکستان ہے کہ اپنے سینہ بے کینہ پر سب کچھ برداشت کرتا چلا جا رہا ہے اور خدا جانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

مختصر یہ کہ پاکستان کی ۶۰ سالہ تاریخ اس کے ظالم حکمرانوں کی ظالمانہ اور ملک دشمن سرگرمیوں اور سازشوں کی طویل داستان ہے، جس کو سننے اور بیان کرنے کے لیے شیر کا حوصلہ اور چیتے کا جگر چاہیے۔ یہ غیر جانب دار مؤرخ کا فرض بنتا ہے کہ وہ پاکستان کی تاریخ کی دوشیزہ کے چہرے پر پڑے ہوئے منافقت کے نقاب کو اٹھا کر اس کا اصلی چہرہ پاکستانی قوم کے سامنے لائے تا کہ اس کے بچے، پاکستانی قوم اپنے بزرگوں اور اپنے معماروں کی امنگوں کے مطابق اس کی شیرازہ بندی کا ملی فریضہ سرانجام دے سکیں۔

راقم کے پیش نظر اس وقت پاکستان کی قومی و بین الاقوامی سطح پر سیاسی صورت حال پر تبصرہ کرنا مقصد نہیں، بلکہ صرف ایک پہلو کی طرف اصحاب فکر ونظر، ارباب علم ودانش اور صاحب درد اہل وطن کی توجہ مبذول کروانا ہے اور وہ ہے ہماری قومی وسرکاری اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے موجودہ چیئرمین جناب ڈاکٹر خالد مسعود کی روشن خیال فقہ کا روشن خیال فتویٰ، جو انھوں نے جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کی ۳؍نومبر ۲۰۰۷ء کو دوسرے P.C.O (پی سی او) کی صورت میں صادر ہونے والی ایمرجنسی ''سیاسی شریعت'' سے وفاداری کا حلف اٹھاتے ہوئے دین اکبری کے بعد دین پرویزی کی خشت اوّل کے طور پر جاری کیا ہے۔ دین اکبری کا موجد اس دور کا روشن خیال ملا مبارک اور اس کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی تھے، جب کہ ایمرجنسی دین پرویزی کا موجد اور محرک ومبلغ ڈاکٹر خالد مسعود نامی آج کے اس دور کا ایک روشن خیال اور نام نہاد ''مسلم سکالر'' شخص ہے۔ (یہاں مسلم اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی مراد لیا جائے)

روشن خیال فقہ کی ایمرجنسی سیاسی شریعت کے مجتہد مطلق ڈاکٹر خالد مسعود کا اجتہادی اور روشن خیالی پر مشتمل فتویٰ ملک بھر کے مؤقر قومی اخبارات وجرائد کی زینت بنا۔ ''روزنامہ نوائے وقت، لاہور'' کے حوالہ سے خبر کا مکمل متن ملاحظہ ہو:

اسلام مکمل دین ہے، ضابطہ حیات نہیں۔ چیئرمین اسلامی نظریات کونسل کی منطق

''اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود نے کہا ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے، یہ مولانا مودودی کی فکر تھی۔ اسلام صرف مکمل دین ہے۔ اسلام میں چہرے کا پردہ ہے، نہ سر کا، یہ محض معاشرتی رواج ہے۔ حجاب صرف نبی کی ازواج

کے لیے تھا۔ اُن خیالات کا اظہار انھوں نے گزشتہ روز ایک خصوصی انٹرویو میں کیا۔ ڈاکٹر خالد مسعود کا کہنا تھا کہ داڑھی سنت ہے، تاہم حضور ﷺ کے دور میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں داڑھی رکھتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ توہینِ رسالت کے قانون میں کمزوریاں ہیں، ان کمزوریوں کو دور کیا جانا چاہیے۔ اسلامی قانون کے مطابق اگر کسی کے منہ سے توہین پر مبنی الفاظ نکل گئے تو اسے توبہ کا موقع ملنا چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ حدود اللہ کا کوئی تصور قرآن میں موجود نہیں ہے۔ یہ تصور فقہاء حضرات کا ہے کہ مخصوص سات جرائم کو حدود اللہ کہا جائے"---

[روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۷/ نومبر ۲۰۰۷ء، بروز بدھ،
صفحہ ۳، کالم نمبر ۷، ۸، بقیہ صفحہ ۹، کالم نمبر ۴، بقیہ نمبر ۱۴]

روشن خیال بیان کے اہم نکات

ڈاکٹر خالد مسعود کے مذکورہ بالا روشن خیالی کے آئینہ دار بیان کے اہم نکات خلاصہ کی صورت میں درج ذیل ہیں:

① اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں، صرف مکمل دین ہے۔
② اسلام میں چہرے کا پردہ ہے، نہ سر کا۔
③ پردہ محض معاشرتی رواج ہے۔
④ حجاب کا حکم صرف ازواجِ نبی ﷺ کے لیے تھا۔
⑤ داڑھی سنت ہے۔ (مسلمان کا امتیاز نہیں ہے)
⑥ توہینِ رسالت کے مرتکب کو توبہ کا موقع دینا چاہیے۔
⑦ قرآن مجید میں حدود اللہ کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔
⑧ حدود اللہ، یہ صرف فقہاء کا تصور ہے۔

یہ تو "نوائے وقت، لاہور" کے حوالے سے ڈاکٹر خالد مسعود کے بیان کے اہم نکات تھے، علاوہ ازیں اسی روز کے دیگر اخبارات میں سے "روزنامہ ایکسپریس لاہور" نے بھی اپنی ۷/ نومبر ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں موصوف کا جو بیان شائع کیا ہے، اس میں ان کا یہ ارشاد بھی شامل ہے:

① حدود اللہ میں کمی بیشی جائز ہے۔
② اسلام کا اپنا کوئی سیاسی و معاشی نظام نہیں ہے۔

اسلامی "نظر آتی" کونسل پاکستان کے موجودہ صدر نشین چیئرمین صاحب خالد مسعود کے

نام سے پہلے ''ڈاکٹر'' کا سابقہ دیکھ کر ہم ایسے طالب علم یہ مغالطہ کھائے بیٹھے تھے کہ موصوف بڑے صاحب علم اور دانش ور ہوں گے، جنھوں نے اعلیٰ ترین علمی ڈگری ڈاکٹریٹ کے حصول کے لیے نادر تحقیقات کی ہوں گی اور اسی وجہ سے اس اہم ترین منصب کا ہما ان کے سر پر بیٹھا ہوگا۔ پھر یہ کہ ان کا انتخاب کرنے والے بھی کوئی ہم جیسے ٹاٹوں والے اسکولوں کے کچے فرشوں پر بیٹھ کر پڑھنے والے نہیں، بلکہ مغرب و یورپ بالخصوص امریکہ بہادر کے تمام تھنک ٹینک کے عالی قدر ممبران کی سال ہا سال پر مشتمل سوچ بچار کی چھلنی سے نکلنے والی مشاورت کی روشنی میں حکومتی ایوانوں میں جلوہ افروز اپنے اپنے علم وفن میں مسند اعتماد پر فائز اصحاب قاف سے تعلق رکھنے والے قافلۂ علم وادب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کا انتخاب کیوں کر اور کیسے غلط ہوسکتا ہے؟ دیانت کا تقاضا تو یہی تھا کہ شاہ کے مصاحبوں میں شامل ہو کر ہر حکم شاہی کی تعمیل کو وظیفۂ حیات سمجھا جائے اور شاہ سے زیادہ شاہ سے وفاداری کا عملی نمونہ پیش کیا جائے۔ چناں چہ ڈاکٹر خالد مسعود نے اگر پی سی او کے ذریعہ آنے والی ''ایمرجنسی سیاسی شریعت'' پر ایمان لانے کے بعد صاحب پی سی او (P.C.O) اور کمال اتاترک کے مقلد محض کے افکار و نظریات کی توضیح و تشریح اور تعبیر جدید کرنے کا فریضہ سرانجام دیا ہے تو یہ ان کا حق تھا۔ کسی کو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ اس لیے ہمیں بھی چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کو اپنے فریضے کی ادائیگی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہماری اس تحریر کا مقصدِ وحید تو ان کے ارشاداتِ عالیہ کو میزانِ علم میں تولنا ہے اور اس کی وساطت سے چند معروضات محض خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ ان تک اور ان پر سایہ فگن اربابِ اقتدار تک پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے دیگر معزز اربابِ فکرودانش اور اصحابِ علم وحکمت کی خدمت میں بھی یہ گزارشات پہنچانا ہے، تاکہ وہ اس پہلو پر بھی غور کرسکیں کہ وہ کس پایہ کی ''علمی شخصیت'' کے پہلو میں بیٹھ کر اسلام کی تعبیر نو اور اشاعت وفروغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، یاد دینا چاہتے ہیں۔

آیئے! ہم آئندہ سطور میں ڈاکٹر خالد مسعود کے بیان میں موجود ارشادات کا علمی و تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ تمام نکات کا مفصل تجزیہ کرنا تو اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے، البتہ ہر نکتہ کے حوالے سے متعلق اہم اور ضروری پہلو جامع انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

① اسلام مکمل ضابطۂ حیات نہیں، یہ صرف مکمل دین ہے۔

ڈاکٹر خالد مسعود کا کہنا ہے کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات نہیں ہے، بلکہ یہ صرف ایک مکمل دین ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ چیئرمینی ارشاد پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آتی ہے کہ وہ اسلام کو ایک مکمل دین تسلیم کرنے کا اعلان بھی کر رہے ہیں اور مکمل ضابطۂ حیات ہونے کا انکار بھی کر رہے ہیں۔ ہم حیران ہیں

کہ اس کو "جہلِ محض" کہا جائے یا کہ آں جناب کا تجاہلِ عارفانہ قرار دیا جائے۔ اس لیے کہ وہ ماشاء اللہ پی ایچ ڈی ڈگری کے حامل ہونے کے ناتے ایک مذہبی و اسلامی سکالر ہونے کے بھی مدعی ہیں، مگر ہمارا احساس یہ ہے کہ اسلام کے اوّلین سیاسی ماٰخذ قرآن وسنت کے وہ قریب سے بھی کبھی نہیں گزرے، اس لیے قرآن وسنت کا ایک مبتدی طالب علم بھی جب اس ابدی ضابطۂ حیات، آدابِ زندگی کی دائمی کتاب قانون کو پڑھتا اور اس میں غور وفکر کرتا ہے، تو وہ اس کی ابتداء ہی میں یہ الوہی حکم پر مبنی کلمات ضرور پڑھتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌo﴾---[البقرہ،۲:۲۰۸]

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"---

زیر نظر آیت کریمہ میں تمام اہلِ ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ یہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۸ ہے، اس سے پہلے مسلسل کئی رکوعات کا اگر طائرانہ نظر سے ہی جائزہ لیا جائے، تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے علاوہ دنیوی زندگی سے متعلق جن امور میں انسانیت کو کامیاب زندگی گزارنے کے لیے جو ضابطۂ حیات عطا کیا گیا ہے، ان میں سے چند اہم ترین درج ذیل ہیں، جو محترم ڈاکٹر خالد مسعود کے خصوصی مطالعہ کے لیے نذرِ قرطاس کیے جا رہے ہیں:

❶ قانونِ قصاص و دیت

قانونِ قصاص تحفظِ زندگی، انسانی برابری ومساوات کا محافظ ہے۔

❷ قانونِ وصیت

انسان کی معاشرتی ومعاشی زندگی کی اہم ترین بنیاد قانون واحکام میراث ہیں۔

❸ ناحق کسی کا مال ہڑپ کرنے اور ناجائز ذرائع سے مال لینے کی ممانعت، اس میں رشوت وغیرہ تمام غیر قانونی ذرائع کی روک تھام کے احکام شامل ہیں۔

❹ اپنے دفاع میں بھی کسی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرنے کی ہدایت۔

آیتِ مذکورہ، جس میں اہلِ ایمان کو پورا پورا اسلام میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا ہے، کے بعد بھی مسلسل کئی رکوع اور آیات میں دنیاوی زندگی کے مختلف امور پر ہدایات دی گئی ہیں، بالخصوص حقوق العباد (انسانی حقوق) کے حوالے سے واضح احکام دیتے ہوئے والدین، قریبی رشتہ داروں،

یتامیٰ محتاج ومساکین، ضرورت مند مسافروں کے حقوق کی بجا آوری کواصل نیکی قرار دیا گیا ہے، تواس کے ساتھ مناکحت کے احکام، اسی سلسلہ میں طلاق کی تفصیلات اور معاشی واقتصادی حوالے سے احکام تجارت اور لین دین کے احکام ومبادی کوقدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مذکورۃ الصدر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہلِ ایمان کو چاہیے کہ جب وہ اسلام کو اپنا دین تسلیم کرتے ہیں تو اب اس کے بعد ان کی زندگی کا کوئی پہلو اس کے دائرہ سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی مسئلہ خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے ہو، وہ مسئلہ قومی ہو یا بین الاقوامی، عائلی زندگی سے متعلق ہو یا عوامی زندگی سے متعلق، سیاسی ہے یا اقتصادی، قانون سے متعلق ہے یا ریاست اور اس کے مختلف امور سے متعلق، تعلیم وتعلم کے ضوابط ہیں یا صنعت وحرفت کے قانون، معیشت کے اصول ہوں یا معاشرت کے طریقے، زراعت سے متعلق معاملات ہوں یا تجارت کے معاملے، تہذیبی مسائل ہوں یا ثقافتی، غرض یہ کہ جہاں گیری و جہاں بانی کا کوئی بھی معاملہ حدودِ اسلام سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔

اگر ڈاکٹر صاحب موصوف ایک محقق و سکالر ہونے (جیسا کہ ہمارا گمان ہے) کے ناتے ''کَآفَۃً'' کے صرف ایک لفظ پر ہی غور کرنے کی زحمت کر لیتے تو شاید وہ اس ذہنی مخمصے کا شکار نہ ہوتے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے، مکمل ضابطۂ حیات نہیں ہے۔ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کی اگر اس منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر مذاہبِ عالم میں اسلام کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا ہے۔ اس لیے کہ ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو کچھ نہ کچھ اخلاق و مذہبی قواعد وضوابط فراہم کرتا ہے، جب کہ دیگر امور دنیا اور مسائلِ حیات کے حوالے سے وہ اپنے پیروکاروں کو کوئی راہنمائی نہیں کرتے اور نہ کوئی اصول دیتے ہیں۔ اسلام کے اسی امتیازی وصف کی بناء پر اپنے اور پرائے ہر کوئی اس کی عظمت کا معترف نظر آتا ہے۔

روشن خیال حکمرانوں کے زیرِ سایہ نظریاتی کونسل کی صدر نشینی کے مزے لینے والے ڈاکٹر خالد مسعود چوں کہ ایک روشن خیال اسلام کے حامی و پیروکار ہیں، اس لیے ہم مسلم مفکرین کی بجائے چند مستشرقین اور دیگر مغربی دانش وروں کے اقوال بطورِ شہادت نقل کرتے ہیں کہ اسلام ہی ایک کامل دین اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ان لوگوں کی گواہی اگرچہ ایک عام مسلمان کے نزدیک لائق التفات نہ ہو، البتہ ڈاکٹر خالد مسعود اور ان کے ہم فکر وفلسفہ حکمرانوں اور دیگر لوگوں کے لیے ضرور قابل قبول ہوگی۔

ان جدید اور روشن خیال دانش واروں کے مقیاس یقین پر مستشرقین اور دیگر مغربی عقلاء و دانش واروں کی تحقیق ہی پورا اترتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اگر ہمارے چیئرمین نظریاتی کونسل ان

غیر مسلم مستشرقین کی آراء کو بھی غور سے پڑھنے کے بعد ان کی تہ تک جائیں تو ان شاء اللہ پھر بھی ان پر "کـافـة" کی حقیقت کھل سکتی ہے۔ مگر شرط صرف یہ ہے کہ وہ روشن خیالی مخصوص نظریات و حالات کی عینک اتار کران سطور کا مطالعہ کریں۔ بصورتِ دیگر جزیلی موتیا کی موجودگی میں انھیں حقیقت کی بجائے زمینی حقائق (سرکاری پروٹوکول اور دنیوی مفادات) ہی نظر آئیں گے۔

اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے، چند مغربی مفکرین کے اقوال

① بیروت کے ایک مسیحی اخبار "الـوطـن" نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم داؤد مجاعص نے لکھا:

"دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے، جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا، نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ امی اور ناخواندہ تھا، وہ کون تھا؟ محمد (ﷺ) بن عبد اللہ قریشی۔ عرب اور اسلام کا پیغمبر، اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کے لیے جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیے۔ اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں، جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آ سکتی ہے"---

[ندوی سید سلیمان، سیرت النبی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، جلد۴، صفحہ ۳۶۵-۳۶۶]

② جان ڈیون پورٹ ایک مشہور مستشرق (HISTRY OF THE WORLD) ہسٹری آف دی ورلڈ میں اسلام اور قرآن کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی جامعیت اور ضابطۂ حیات (COD OF LIFE) ہونے کا برملا اعلان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"قرآن ایک عام مذہبی، ملکی، تجارتی، دیوانی، فوج داری وغیرہ کا ضابطہ ہے اور ہر ایک امر پر حاوی ہے۔ مذہبی عبادت سے لے کر جسمانی صحت، جماعت کے حقوق سے لے کر حقوقِ افراد، اخلاق، جرائم، دنیوی و دینی سزا وغیرہ تک کے عام احکام قرآن میں موجود ہیں۔ اس میں اصول بھی ہیں، جن کی بنا پر حکومت کی بنیاد پڑی اور اس سے ملکی قوانین اخذ کیے جاتے ہیں اور روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی کا فیصلہ کیا جاتا

ہے۔قرآن ایک بے نظیر قانونِ ہدایت ہے۔اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں''---[نقوش محمد طفیل،نقوشِ رسول نمبر،ادارہ فروغ اردو،لاہور،جلد۴،صفحہ ۴۶۹]

③ موسیو ڈیوڈ ڈی سانتی لان ایک مشہور مستشرق ہیں، انھوں نے اسلامی قانون اور نظامِ حیات کا انتہائی گہری نظر سے مطالعہ کیا اور پھر اپنے تاثرات کو اپنی مشہورِ زمانہ کتاب (THE LEGACY OF ISLAM) میں باوجود ہر قسم کی اسلام دشمنی اور منافقت کے یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔وہ لکھتا ہے:

''سیاسی و کشوری (CIVIL) دونوں قسم کے قانون میں مکمل مساوات اس پورے نظام کی بنیاد ہے۔حضرت عمر ﷜ نے ابو موسیٰ اشعری کو جو مشہور ہدایات دی ہیں، ان میں ہے کہ ''لوگوں کو اپنے حضور میں اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور نہ قوی تمہاری رعایت کی امید رکھے۔

یہ ہدایت نامہ مستند ہو یا نہ ہو،لیکن یہ باتیں اصولِ قانون کی ہر ابتدائی کتاب میں مذکورہ ہیں اور دیوانی قانون اور دوسرے ہر قسم کے معاملات کی بنیاد ہیں''---

[امام الدین ابو محمد،غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسن اسلام
اسلامی مشن سنت نگر لاہور،سن اشاعت ندارد،صفحہ ۱۱۷]

④ پولینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک مستشرق ویلا جزرسکی پیدائشی طور پر رومن کیتھولک عیسائی خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے،ان کو بچپن سے ہی مختلف مذاہب کے مطالعہ کا شوق جنون کی حد تک تھا،ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''میں نے دیگر مذاہب کا مطالعہ شروع کر دیا،خاص طور پر بودھوں اور بہائیوں کے مذاہب کا مطالعہ کیا،لیکن میرا ضمیر مطمئن نہ ہو سکا،آخر میرے غیر مطمئن ذہن و ضمیر کی نگاہ اسلام پر پڑی۔مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ اسلام کے اصول میرے ذہنی رجحان کے عین مطابق اور انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مکمل ہیں، میں نے اسلام میں انسانی نظامِ حیات کے لیے ایک مبسوط اور مکمل ضابطہ پایا۔ایسا ضابطۂ حیات جو پوری دنیا میں خدا کی حکومت قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جس میں فطرتِ انسانی کے مطابق ایسی لچک موجود ہے، جو ہر دور کے لیے مناسب و موزوں ہے۔میں اسلام کے جن تمدنی اصول و نکات سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں،ان میں زکوٰۃ بھی ہے۔اسلام کے اصولِ وراثت، ناجائز اور ناپسندیدہ منافع خوری، جس میں سود خوری بھی شامل ہے،

اس کی ممانعت اور ایک سے زیادہ شادی کی اجازت کے متعلق اسلامی شرع نے مجھے زیادہ متاثر کیا۔ اسلام کے یہ تمام تمدنی اور اقتصادی اصول کمیونزم اور سرمایہ پرستی کے درمیان بہترین راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تعلیم وتمدن کی بہترین واضح حدیں مقرر کی گئی ہیں، انصاف ومساوات کا تحفظ کر کے انسانیت کی حقیقی راہنمائی کی ہے''---

[اختر احسن، قبولِ اسلام، نومسلم عیسائیوں کی زبانی، اسلامی مشن، سنت نگر لاہور، صفحہ ۱۶]

⑤ سر آر۔ جی ہملٹن، انگلستان کا ایک پیدائشی مسیحی مستشرق، جس نے مذاہب کے غیر جانب دارانہ مطالعہ کے بعد اسلام قبول کر لیا، کہتے ہیں:

''میں نے اسلام کی تعلیمات کا تفصیلی مطالعہ کیا، تو مجھے معلوم ہوا کہ انسانی زندگی اور قومی زندگی کے لیے بھی اسلام بہترین لائحہ عمل ہے۔ انسانی فطرت کو مطمئن کرنے میں جہاں سوشلزم، کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام کسی نہ کسی شعبہ میں ناکام اور بیکار معلوم ہوتے ہیں، وہاں اسلام ہی صحیح راہنمائی کر سکتا ہے۔ ہر جہت اور ہر پہلو سے اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے''---[ایضاً صفحہ ۲۱]

⑥ فرنیک صلاح الدین امریکن:

''اسلامی تعلیمات نہ صرف فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں، بلکہ ان میں ایسی دل کشی ہے، جو اس کے مطالعہ کرنے والے کو بے حد متاثر کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجود ترقی یافتہ دنیا کے ساتھ اگر کوئی مذہب چل سکتا ہے، تو وہ صرف اسلام ہے''---[حوالہ مذکور، صفحہ ۱۸]

مغربی دانش وروں کے بعد چند حوالہ جات ہندی شخصیات کے بھی ملاحظہ ہوں:

⑦ لالہ رام لال ورما، ایڈیٹر اخبار ''تیج'':

''جمہوریت، اخوت، مساوات، یہ عطیات ہیں، جو حضرت محمد (ﷺ) نے بنی نوع انسان کو عطا کیے''---[نقوش محمد طفیل، نقوش رسول نمبر، جلد ۴، صفحہ ۴۶۱]

⑧ بلبل ہند سروجنی نائیڈو سابق صدر انڈین نیشنل کانگریس:

''عرب، جہاں ایک خدا نے اونٹ والے کو پیغام بھیجا، جس نے وہ تعلیمات دیں، جو جمہوریت کا سرچشمہ کہی جا سکتی ہیں، ان کے متعلق یہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کو مساوات اور اخوت کے ایک رشتہ میں جکڑ دیا اور وہ واقعی طور پر بہترین تعلیمات تھیں''---[حوالہ مذکور، صفحہ ۴۸۳]

⑨ لالہ رام چندر بی اے، ایل ایل بی پریذیڈنٹ اروڑ بنس لکھ سبھا، لاہور:

''وحدانیت و مساوات یہ دونوں بے بہا اصول دنیا کو حضرت بانئ اسلام نے دیئے۔ محمد ﷺ انسانی جماعت کے سب سے بڑے راہنما اور ہادی ہیں۔ جب تک وحدانیت اور مساوات کے اصول سے بڑھیا اصول دنیا کو دستیاب نہیں ہوتے، اس وقت تک فیض رسانی کا سہرا محمد ﷺ کے سر رہے گا'' ---[حوالہ مذکور، صفحہ ۴۶۲]

⑩ مسٹر وائل مصنف ہسٹری آف دی اسلامک میپل:

''رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ایسے مذہب کے شیرازے میں منسلک کر دیا ہے کہ جس میں صرف خدائے واحد کی پرستش اور ابدی نجات کی تعلیم تھی اور مکمل شریعت سے بہرہ اندوز کیا اور اس قانون کا عامل بنا دیا، جو زمانہ میں یکساں منفعت کے ساتھ نافذ اور رائج ہو سکتا ہے'' ---[نقوشِ محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر، جلد۴، صفحہ ۴۶۴]

مسلم و غیر مسلم مستشرقین اور چند ہندو اہل علم کے حوالے سے ہم نے درج بالا گیارہ شہادتیں پیش کر دی ہیں، ان تمام بیانات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ کرۂ ارضی پر پائے جانے والے مذاہب اور نظام ہائے حیات میں سے یہ امتیاز صرف اور صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس کا اقرار و اعتراف زمین پر بسنے والی تمام اقوام کے مشاہیر، حکماء و علماء کرتے رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ لیکن کس قدر تاسف کا مقام ہے کہ اغیار تو ہمارے دین کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، مگر ہمارے سرکاری سطح پر سب سے بڑے اور اہم ترین ادارے ''اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان'' کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود اور ان کے ہم فکر نام نہاد روشن خیال مسلمانوں کی نگاہِ فکر ابھی تک اسلام کی اس خوبی اور امتیازی شان کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اس لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کیا آئے نظر، کیا دیکھے؟

علمی دیانت کا تو تقاضا تھا کہ چیئرمین موصوف انسانی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک اور انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک کسی ایسے پہلو کی نشان دہی کرتے اور کہتے کہ زندگی کا یہ وہ پہلو ہے، جس میں اسلام خاموش ہے اور دنیائے انسانی کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا یا پھر یہ کہ وہ اسلام کے رخِ روشن پر تھوکنے سے پہلے کسی ایسے شعبہ زندگی کا ذکر کرتے کہ یہاں اسلام کے ساتھ کسی دوسرے ازم یا مذہب کی پیوندکاری کی گئی ہے، چناں چہ وہ فلاں مذہب کے

اصول وحکم کے سہارے کھڑا ہے۔ اگر موصوف کوئی ایسا ''تحقیقی کارنامہ'' سرانجام دیتے تو امکان تھا کہ کوئی مطالعہ مذاہب کا طالب علم یا تاریک خیال مسلمان ان کی بات پر کان دھرتا، لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف اور اس قبیل کے دیگر لوگ اپنے عناد وافکار پر کوئی دلیل نہیں لا سکے اور نہ ان شاءاللہ قیامت تک لا سکتے ہیں۔

ہمارا ڈاکٹر خالد مسعود صاحب کو مشورہ ہے کہ وہ روشن خیالی کے اس دور میں منفعت منصب کی سعادتوں سے ضرور مسعود و سعادت مند ہوتے ہوئے لطف اندوز ہوں اور روشن خیال مذہبی سکالر بھی ضرور بنیں، لیکن ایسی روشن خیالی کی راہ پر نہ چلیں کہ جس کے نتیجہ میں ہاتھی ستون بن جائے۔ موقع کی مناسبت سے مولانا روم کی بیان کردہ ایک مثال ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے اور ہمیں ذاتی طور پر روشن خیالوں کے زیادہ مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔ آپ بھی پڑھیں اور لطف اٹھائیں۔

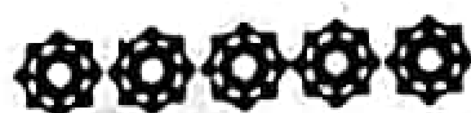
مولانا روم کا بیان کردہ واقعہ

مولانا روم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک مقام پر پانچ اندھے جمع تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی ہاتھی کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک دفعہ ایک ہاتھی لا کر کھڑا کر دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ باری باری ہاتھ لگا کر یہ بتاؤ کہ ہاتھی کیسا ہے؟ ان میں سے ہر ایک اندھے نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے ہاتھی کو جاننے کی کوشش کی، چناں چہ ایک نابینا کا ہاتھ جب ہاتھی کے پیٹ پر پڑا تو اس نے کہا کہ ہاتھی دیوار کی مانند ہے اور جس کا ہاتھ اس کے کانوں تک پہنچا تو اس نے کہا کہ ہاتھی تو پنکھے کی مانند ہے اور ایک اندھے کا ہاتھ جب ہاتھی کی سونڈ پر لگا تو وہ کہنے لگا کہ ہاتھی رسے کی طرح ہے اور جس کا ہاتھ اس کی ٹانگوں پر پڑا تو وہ کہنے لگا کہ ہاتھی تو ستون کی طرح کا ہے۔

غرض یہ کہ ہر اندھے نے اپنے اپنے طور پر جب ہاتھی کو جاننے کی کوشش کی تو کسی نے اس کو ستون قرار دے دیا تو کسی نے دیوار بنا دیا۔ مگر وہ اندھے اس لحیم وشحیم ہاتھی کے وجود کو پہچاننے کی بجائے اپنی روشن خیالی کے نتیجہ میں اس کو کچھ سے کچھ بنا رہے تھے۔ یہی حال ہمارے چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کا ہے کہ انھیں آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کا شرف و امتیاز بھی نظر نہیں آتا۔ اس مقام پر ہم ان سے علامہ اقبال کی زبان میں یہی عرض کر سکتے ہیں:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور ، دل کا نور نہیں!

[جاری ہے]



انسانی تہذیب پر اسلام کے اثرات

ڈاکٹر اکرام اللہ جان

تہذیب کا لفظ بڑے وسیع مفہوم کو شامل ہے۔ اس میں ذہنی تصورات کی خوش نمائی اور خارجی اعمال کا حسن دونوں شامل ہیں۔ کبھی کبھی اس کے لیے کلچر (Culture) کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، جس کے لغوی معنی کاشت کاری اور زراعت کے ہیں۔ اردو میں تہذیب کے ساتھ لاحقے کے طور پر بالعموم تمدن کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، جس کے لغوی معنی شہر اور بستی بسانے کے ہیں۔ تہذیب کا انگریزی مترادف سولیزیشن (Civiliziation) ہے۔ تہذیب وتمدن اور کلچر کے یہ سب الفاظ مل کر کسی قوم کے اجتماعی طرزِ حیات کو متعین کرتے ہیں جس میں اس قوم کی مخصوص عادات واطوار، آرٹس اور کرافٹس، رسم ورواج، مذہب اور تقریبات سب شامل ہیں۔

انسانی تہذیب کے ارتقاء کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ ہم حتمی طور پر یہ تو نہیں بتا سکتے کہ اس کرۂ ارض پر انسانی زندگی کی ابتداء کب ہوئی؟ لیکن تاریخی شواہد سے اس قدر ضرور پتا چلتا ہے کہ ابتدائی انسان کی زندگی بڑی سادہ اور بے تکلف تھی۔ وہ خود رو درختوں کے پھل کھا کر اور قدرتی چشموں سے پانی پی کر زندگی گزارتا تھا، پھر اس نے پتھر اور دھات سے ہتھیار بنانا سیکھ لیا اور ان ہتھیاروں سے جانوروں کا شکار کر کے لذت کام ودہن کا سامان بہم پہنچانا شروع کر دیا۔ یہاں سے اس کا کلچر شروع ہوا، پھر اس نے ابتدائی کاشت کاری کو فروغ دے کر قسم قسم کے پھل پھول پیدا کرنے

شروع کر دیے اور اس طرح انسانی کلچر ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا۔ ابتدائی انسانوں کو رہنے کے لیے مکان کی ضرورت نہیں تھی، وہ قدرتی غاروں کو مسکن بنا کر گزارہ کر سکتا تھا، پھر رفتہ رفتہ جنگلی جانوروں کے حملوں سے بچنے کے لیے اس نے بے ڈھنگے سے باڑے بنانے شروع کیے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مل جل کر رہنا سیکھ لیا۔ یہاں سے انسانی تمدن شروع ہوا۔ ابتدائی مکان بستیوں میں تبدیل ہوئے، بستیوں سے گاؤں اور قصبے وجود میں آئے، گاؤں اور قصبے رفتہ رفتہ بڑے بڑے شہر بنتے گئے۔ مل جل کر رہنے سے تمدنی مسائل پیدا ہوئے جنھیں حل کرنے کے لیے انسان نے مختلف اداروں کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارے ترقی پا کر عظیم الشان انسانی تمدن کی بنیاد ثابت ہوئے۔

شروع کا انسان بڑا سادہ اور بے تکلف تھا، وہ چلّو سے پانی پی لیتا تھا اور درختوں کے پتوں سے تن ڈھانپ لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی نفاست پسندی نے چلو کی بجائے برتن ایجاد کر لیے، پتوں کے بجائے کپڑا بننا سیکھ لیا، کپڑوں میں کانٹ چھانٹ کر کے مختلف فیشن ایجاد کیے۔ رنگوں کی آمیزش نے ذوقِ نظر کی آب یاری کی اور اس طرح انسانی تہذیب مختلف مراحل طے کرتی ہوئی کہیں سے کہیں جا پہنچی۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر آباد ہونے والا پہلا انسان براہِ راست خدا سے ہدایت یافتہ تھا۔ تہذیبی لحاظ سے اس کی زندگی خواہ کیسی ہی ہو، ذہنی لحاظ سے وہ صاحبِ ایقان اور پکا مسلمان تھا۔ وہ اس کرۂ ارض پر خدا کا خلیفہ تھا اور جزا و سزا کے تصور سے بخوبی آگاہ تھا۔ اگرچہ وہ جنت سے نکل آیا تھا لیکن جنت کا تصور اس کے دل سے محو نہیں ہوا تھا، اسے خوب پتا تھا کہ اس کا فردوسِ گم گشتہ اسے دوبارہ مل سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے پاس حسنِ عمل کی پونجی ہو، لہٰذا اپنے آقا و مالک کی خوشنودی حاصل کرنا اس کا مقصدِ زندگی تھا۔ یہ مذہبی حس آدم علیہ السلام سے اس کی اولاد کو ودیعت ہوتی رہی اور اس طرح تہذیبی ترقی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور روحانی سفر کی منزلیں بھی طے ہوتی رہیں۔

تہذیبیں بنتی اور بگڑتی ہیں

انسانی تہذیب کے ارتقاء کی کہانی دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔ کیوں کہ تہذیبیں پیدا ہوتی، جوان ہوتی اور پھر ختم بھی ہوتی رہی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل قومی تہذیبیں ہوا کرتی تھیں، کیوں کہ اس زمانے تک انسانی زندگی قومی اور ملکی دائروں تک محدود تھی اور یہ دائرے اس قدر سخت تھے کہ کوئی شخص ایک دائرے سے نکل کر کسی دوسرے دائرے میں قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی قومی نبی آتے رہے، جو صرف اپنی ہی قوم کی اصلاح پر مامور ہوا کرتے تھے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَ لِکُلِّ قَومٍ ھَادٍ﴾---

''ہر قوم کے لیے ہادی اور رہنما آتے رہے ہیں''---

پوری انسانی برادری کا تصور ختم الرسلین حضرت محمد ﷺ سے شروع ہوا، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿وَ مَا اَرسَلنٰکَ اِلّا رَحمۃً لّلعالَمِین﴾---

''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''---

پہلے تمام انبیاء اپنی قوم کو ''یا قومی'' کہہ کر خطاب کرتے تھے، قرآن نے پہلی مرتبہ ''یا ایُّھا النَّـاس'' یعنی اے لوگو! کہہ کر خطاب کرنا شروع کیا۔ یعنی اب وہ وقت تھا جب تمام اقوام ایک عالمی برادری میں مدغم ہونے کے لیے تیار تھے۔ اس لیے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود کے برخلاف امت مسلمہ محمد ﷺ کسی قومی دائرے میں محدود نہیں ہوئی بلکہ تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔

دوسری بات قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سابقہ اقوام کی تہذیبیں اخلاقی انحطاط کی بنا پر مٹتی رہی ہیں، جب کسی قوم میں فسق و فجور حد سے بڑھ جاتا اور اس قوم کی اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تو وہ تہذیب آپ اپنی موت مرجاتی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اِذَا اَرَدنَـا اَن نُّھلِکَ قَـریَۃً اَمَـرنَـا مُتـرَفِیھَا فَفَسَقُوا فِیھَا فَحَقَّ عَلَیھَا القَولُ فَدَمَّرنٰھَا تَدمِیرا﴾---[بنی اسرائیل:۱۶]

''جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی کو آلیتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں''---

انہیں مترفین کے فسق و فجور کی وجہ سے قوم عاد تباہ ہوئی۔ قوم ثمود ہلاک ہوئی اور مترفین کا یہی فسق و فجور طوفانِ نوح کا باعث بنا۔ اس سے پتا چلا کہ پہلے بھی تہذیبیں عروج کو پہنچتی اور پھر اخلاقی انحطاط کی بنا پر زوال آشنا ہوتی رہی ہیں۔ قدیم تاریخ سے مندرجہ ذیل تہذیبوں کے عروج و زوال پر روشنی پڑتی ہے:

۱)......چینی تہذیب　　۲)......مصری تہذیب

۳)......دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے یعنی میسوپوٹیمیا عراق کی تہذیب

۴)......قدیم ایرانی تہذیب　　۵)...... بھارت ورش کی تہذیب

۶)......قدیم رومی تہذیب　　۷)......قدیم یونانی تہذیب

یہ چند نمایاں اقوام تھیں، جن کی تہذیبی جھلکیاں قدیم لٹریچر میں نظر آتی ہیں، ورنہ ان کے علاوہ بے شمار تہذیبیں پیدا ہوئیں اور اخلاقی انحطاط کے ہاتھوں مٹتی رہی ہیں۔

قبل از اسلام عرب کی تہذیبی حالت

انسانی تہذیب کی تعمیر میں اسلام کا حصہ متعین کرنے سے پہلے قبل از اسلام عربوں کی تہذیبی حالت کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جزیرہ نمائے عرب، قدیم زمانہ میں بعض اعلیٰ تہذیبوں کا نظارہ کر چکا تھا۔ یمن کے ساحلی علاقے میں ولادت مسیح سے ہزار سال قبل حمیر اور سبا کی متمدن حکومتیں قائم تھیں، اس زمانے کی عالی شان عمارتوں کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ ملکہ سبا کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ سبا کی حکومت نے سدّ مآرب نامی بند باندھ کر زراعت کو بے حد ترقی دی تھی۔

یہ تو ماضی بعید کی بات تھی لیکن اسلام سے قبل ماضی قریب میں عربوں کی تمدنی زندگی کا برا حال تھا، وہ علم و ہنر سے بالکل نابلد اور کورے ان پڑھ تھے۔ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے علاوہ اور کوئی ہنر نہ جانتے تھے، خیمہ ان کا محل تھا اور کسی جانور کی کھال ان کا پرتکلف اور آرام دہ بستر۔ اگرچہ عربوں کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا، لیکن ان کا تحریری سرمایہ نہ ہونے کے برابر تھا، صرف چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسی طرح صنعت و حرفت سے بھی عربوں کو کوئی لگاؤ نہ تھا۔ البتہ اونٹ کی اون سے عورتیں کمبل اور خیمے وغیرہ بنالیا کرتی تھیں۔

عربوں کو شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا، شعراء اپنا کلام میلوں وغیرہ میں پڑھتے تھے۔ عکاظ کا میلہ جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہتا تھا، ادبی سرگرمیوں کا موسم بہار سمجھا جاتا تھا۔ شعراء کا بہترین کلام لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکایا جاتا تھا، جنہیں معلقات کہا جاتا ہے۔ علم نجوم اور قیافہ میں عربوں کو بڑی مہارت تھی، اگر کسی مقام سے اونٹوں کا کوئی قافلہ گزر جاتا تو عرب اونٹوں کی مینگنیاں سونگھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ قافلہ کس قبیلہ کا ہے۔ کہاں سے آیا تھا اور کس طرف چلا گیا۔ مکہ اور مدینہ جزیرہ نمائے عرب کے بڑے بڑے شہر تھے لیکن ان شہروں کے تمدن کا یہ حال تھا کہ گھروں میں جائے ضرورت نہ ہوتی تھی اور رفع حاجت کے لیے مستورات کو باہر جانا پڑتا تھا۔ رات کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، دروازوں میں کواڑ نہیں ہوتے تھے، کپڑوں کے پردے لٹکائے جاتے تھے، آٹا چھاننے کے لیے چھاننی کا استعمال نہیں ہوتا تھا، پھونک مار کر بھوسی اڑائی جاتی تھی۔ شقاوت قلبی کا یہ حال تھا کہ زندہ جانور سے گوشت کا ایک حصہ کاٹ کر پکالیا جاتا تھا اور باقی جانور کو اذیت کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا۔ بعض قبائل بچیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے، جانوروں کو باندھ کر تیر اندازی کی مشق کی جاتی تھی اور دشمن کی لاش کا مثلہ کیا جاتا تھا۔

مذہبی اور اخلاقی حالت:

مذہبی لحاظ سے عرب سخت توہم پرست واقع ہوئے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر فال نکالنے کا رواج تھا، کاہنوں اور نجومیوں کی خوب چاندی تھی۔ اگرچہ توحید کا قدیم ترین مرکز یعنی خانہ کعبہ، مکہ میں واقع تھا، لیکن عرب بت پرستی میں مبتلا تھے، حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے اندر اور چھت پر بھی بت نصب تھے، ہر قبیلے کا بت جدا تھا، مختلف حاجات کے لیے مختلف بت مخصوص تھے۔ بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ قمار بازی، شراب خوری اور زنا کاری کا عام رواج تھا۔ بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ عربوں کا سب سے بڑا شاعر امرءالقیس اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا، عموماً جائز خیال کیا تھا۔ ازواج کی کوئی حد نہ تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں کے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔

یہ تھی وہ تمدنی اور تہذیبی کیفیت، جس میں عرب مبتلا تھے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام نے ان عربوں کی حالت میں کیا انقلاب برپا کیا اور انسانی تہذیب کی تعمیر میں کیا رول ادا کیا۔

اسلامی دور میں علمی ترقی:

کسی قوم کی تہذیبی ترقی ماپنے کا سب سے بڑا آلہ یہ ہے کہ اس قوم کی علمی حالت پر نظر ڈالی جائے۔ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اسلام سے قبل عربوں کی علمی حالت کیا تھی؟ پورے ملک میں کوئی مدرسہ نہ تھا، گنتی کے چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے، تحریری سرمایہ صفر تھا۔ اس علمی کم مائیگی کا مقابلہ جب ہم اس عظیم الشان علمی ترقی سے کرتے ہیں جو اسلام کی وساطت سے عمل میں آئی، تو انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کیا یہ بات کچھ کم حیران کن ہے کہ دورِ جاہلیت کے بے علم اور اَن پڑھ عرب، اسلام قبول کرنے کے بعد علمی دنیا کے مسند نشین بن گئے اور کئی صدیوں تک دنیا کو علم کی روشنی سے منور کرتے رہے۔ جو علمی تحریک ابتداء میں اصحاب صفہ سے شروع ہوئی، وہ ترقی کرتے کرتے عظیم الشان یونی ورسٹیوں پہ منتج ہوئی۔ اس کے مقابلے میں یورپ کی حالت یہ تھی کہ جس زمانے میں قاہرہ میں جامعہ ازہر اور بغداد میں جامعہ نظامیہ کا طوطی بول رہا تھا، اس زمانہ میں یورپ جہالت کی اتھاہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

تصنیف و تالیف:

آغاز اسلام ہی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ شاعر رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا دیوان، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مجموعۂ خطوط و خطبات (نہج البلاغہ) ان کا مجموعۂ اشعار،

حضرت ابو ہریرہ ﷜، حضرت عبداللہ ﷜ بن عمرو بن العاص، حضرت انس ﷜ اور دیگر بیسیوں صحابہ کے مجموعہ ہائے احادیث، حضور ﷺ کے معاہدات و مکتوبات اور حضرت ابن عباس ﷜ کی تفسیر اس پر شاہد ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد اس سلسلہ کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے جاری رکھا۔ یزید اوّل (۶۰ھ تا ۶۴ھ) کے بیٹے خالد نے ایک دارالترجمہ قائم کیا، پھر بنو عباس کے زمانے میں دنیا بھر کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہو گئیں اور حکمت یونان پھر سے زندہ ہو گئی۔ تصنیف و ترجمہ کی یہ تحریک اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام اسلامی دنیا میں کتابوں کے انبار لگ گئے۔ کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس واقعہ سے لگ سکتا ہے کہ مشہور مؤرخ الواقدی نے ۲۰۶ھ میں وفات پائی تو اس کے گھر سے کتابوں کے چھ صندوق نکلے۔ علم کی محبت دیکھیے کہ مامون الرشید (۱۹۸ھ-۲۱۸ھ) نے قیصر روم مائیکل دوم سے اس بات پر صلح کی کہ وہ استنبول کا ایک کتب خانہ بغداد بھیج دے۔ چناں چہ عالم اسلام میں بڑی بڑی لائبریریاں قائم ہو گئیں، جن میں بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی لائبریریاں بہت مشہور ہیں۔ قرطبہ کی لائبریری خلیفہ الحکم دوم (۳۶۶ھ) نے قائم کی تھی، اس لائبریری میں کتابوں کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی، جن کی فہرست ۴۵ جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ یہ فہرست آج بھی میڈرڈ کی اسکوریل لائبریری میں موجود ہے۔ ۳۸۶ھ میں مصر کی فاطمی لائبریری میں ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں موجود تھیں۔ بغداد کی لائبریریوں میں اس قدر کتابیں تھیں کہ جب تاتاریوں نے دریائے دجلہ عبور کرنا چاہا تو کتابوں کی ہزارہا گٹھڑیاں پانی میں پھینک دیں۔ بیشتر تو بہہ گئیں لیکن کچھ بھاری ہو کر تہہ میں بیٹھ گئیں ان پر اور گٹھڑیاں آتی گئیں، یہاں تک کہ دریا پر ایک پشتہ سا بن گیا، جس پر تاتاری لشکر پیدل چل کر پار نکل گیا۔

سرکاری کتب خانوں کے علاوہ پرائیویٹ کتب خانے بھی تھے۔ امراء کو ذاتی لائبریریاں قائم کرنے کا شوق تھا، جب یاقوت حموی (۶۲۵ھ) مرو میں گیا تو اس نے شہر میں بارہ لائبریریاں دیکھیں، جن میں سے ایک میں بارہ ہزار کتابیں تھیں۔ حماۃ (شام) کے والی ابوالفداء اسماعیل کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا جس میں دو سو علماء اور کاتبین تصنیف و کتابت پر مقرر تھے۔ قرطبہ کے ایک قاضی ابوالمطرف (۴۲۰ھ) کے ہاں اتنی بڑی لائبریری تھی کہ اس کی وفات پر جب فروخت ہوئی تو اس کے ورثاء کو چار لاکھ دینار وصول ہوئے۔ جب بغداد کے ایک عالم البیقانی (۴۲۵ھ) اپنے منصب سے سبک دوش ہونے کے بعد گھر روانہ ہوئے تو ان کی کتابیں ۶۵ گٹھڑیوں میں اٹھائی گئیں۔ اندلس کے صرف ایک شہر قرطبہ میں ۲۷ لائبریریاں تھیں، جسے مسلمانوں کے زوال کے بعد متعصب عیسائیوں نے جلا دیا۔ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے طرابلس میں ایک عظیم الشان

لائبریری بنائی تھی، جس میں کتابوں کی تعداد ۳۰ لاکھ کے قریب تھی۔ ایک مرتبہ صلیبیوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا تو اس نے تمام کتابیں جلا ڈالیں۔

علماء فضلاء:

قرونِ وسطیٰ میں عالمِ اسلام نے ہر فن میں بڑے بڑے علماء پیدا کیے، یہ علماء اس قدر کثیر تعداد میں تھے کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے بہت سے علماء کی تصنیفات ترجمہ ہو کر یورپ پہنچیں، جن سے وہاں احیائے علوم کی تحریک نے جنم لیا۔ مسلمان علماء کی یہ خوشہ چینی آج تک جاری ہے اور متعدد یورپی مستشرقین اسلامی علوم کو مغربی زبانوں میں منتقل کرنے میں مشہور ہیں۔ مثلاً ابوالفداء کی تاریخ کا ترجمہ ۱۸۱۶ء میں امبریت نے شائع کیا، ابن بطوطہ کے سفرنامہ کی تدوین ایچ اوپٹز (Hoapetz) نے ۱۸۱۹ء میں کی، مقامات حریری کی تدوین سی آئی ایس ہائی پر نے ۱۸۳۲ء میں شائع کی، ابن خلدون کی تاریخ اے نوئل نے ۱۸۴۱ء میں مدون کی، ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان کی تدوین سلین (Slane) نے ۱۸۳۲ء میں کی، بلاذری کی تاریخ "فتوح البلدان" گوجے نے ۱۸۰۶ء میں مدون کی۔ ابوالفرج اصفہانی کی مشہور کتاب "الاغانی" کی تدوین مختلف ایڈیٹروں نے مل کر ۱۴۶۸ء میں سرانجام دی۔

الف لیلہ کا ترجمہ برٹن نے ۱۸۹۹ء میں شائع کیا، جس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اسی طرح فارابی، جاحظ، معری، البیرونی اور دیگر علمائے اسلام کی تصنیفات بھی یورپی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانی تہذیب کے ارتقاء میں اسلام نے نہ صرف بھرپور حصہ لیا بلکہ اس نے عالمی لٹریچر کو مالا مال کیا اور آج تک اغیار اس کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں۔

اسلامی دور کی تمدنی ترقی:

تہذیب و تمدن لازم و ملزوم ہے، کوئی قوم اس وقت تک مہذب نہیں کہلا سکتی جب تک وہ تمدنی طور پر ترقی یافتہ نہ ہو۔ تمدنی ترقی سے مراد یہ ہے کہ نئے نئے شہر بسائے جائیں اور عوام کو شہری سہولتیں مہیا کی جائیں، تاکہ وہ صاف ستھری اور خوش گوار زندگی بسر کر سکیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلامی تمدن کئی صدیوں تک دنیا پر حکمرانی کرتا نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے کامل منصوبہ بندی سے بے شمار نئے شہر آباد کیے، جو اپنے زمانے کی بہترین تمدنی سہولتوں سے آراستہ تھے۔ کھلی سڑکیں، رات کو روشنی کا بندوبست، عوامی غسل خانے، پبلک لائبریریاں، صاف ستھرے اور کشادہ مکانات، خوب صورت عبادت گاہیں، غرضیکہ تمدنی زندگی کی ہر سہولت موجود تھی۔ مثال کے طور پر ہم صرف دو شہروں کی تمدنی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں، جو اپنے

Scanned with CamScanner

زمانے کے مشہور ترین ثقافتی مرکز تھے۔

بغداد:

اس شہر کی بنیاد دوسرے عباسی خلیفہ منصور نے دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر ڈالی تھی، اس کی تعمیر پر ایک لاکھ مزدور چالیس سال تک کام کرتے رہے۔ یہ شہر دائرے کی شکل کا تھا، اس کی دو فصیلیں تھیں۔ اندرونی فصیل امراء و وزراء کے گھروں اور شاہی محلات کے گرد تھی اور نوے فٹ اونچی تھی، دوسری فصیل پورے شہر کے گردا گرد تھی۔ شاہی محل کے دیوان عام کا گنبد ایک سو تیس فٹ بلند تھا، اس کے عین اوپر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شہر دولت، تجارت، علوم وفنون اور بین الاقوامی سیاست کا مرکز بن گیا، اس کی شان وشوکت دیکھ کر سیاح متحیر رہ جاتے تھے۔ یہ شہر ملت اسلامیہ کی عظمت، عزت اور آسودہ حالی کی علامت تھا۔ عہد مامون (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) میں بغداد کی آبادی دس لاکھ تھی۔ اس میں تیس ہزار مساجد، دس ہزار حمام، ایک ہزار محل اور آٹھ سو ساٹھ مطب تھے۔ نیز علوم وفنون کا مرکز بیت الحکمت قائم کیا گیا تھا، جس میں سیکڑوں علماء وحکماء، تالیف وترجمہ پر مامور تھے۔ سڑکوں پر روزانہ گلاب اور کیوڑے کا عرق چھڑکا دیا جاتا تھا اور جب خلیفہ کی سواری نکلتی تھی تو اس کے آگے پیچھے دس ہزار سوار ہوتے تھے۔

بغداد کے گھاٹ میلوں میں پھیلے ہوئے تھے، جو ہر وقت تفریحی کشتیوں، شکاری اور جنگی جہازوں سے پر رہتے تھے۔ تجارتی جہاز ہر قسم کا سامان مثلاً کپڑا، زیور اور شیشہ وغیرہ لے کر دور دراز ممالک کو جاتے تھے۔ یہ تاجر واپسی پر چین سے مشک اور ریشم، ہند سے مسالے، رنگ اور معدنیات، روس سے شہد اور موم، افریقہ سے ہاتھی دانت اور سونا، مصر سے چاول، گندم اور ململ، شام سے پھل اور ایران سے قالین اور عطریات لے کر آتے تھے۔ اس تجارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کی دکانیں ہر قسم کے سامان سے لد گئیں اور دنیا بغداد کو "ملکہ عالم" کہنے لگی۔

بیت الحکمت:

بغداد کا ذکر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک بیت الحکمت کا ذکر نہ کیا جائے، جسے عباسی خلیفہ مامون الرشید نے قائم کیا تھا۔ یہ عربوں کی علمی تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا، ابتداء میں یہ غیر ملکی تصنیفات کے ترجمے کے لیے قائم کیا گیا لیکن بعد میں یہ ہمہ جہت علمی ادارہ بن گیا۔ اس بیت الحکمت میں ہند، یونان اور ایران کے فلسفے، طب، ہیئت، تاریخ اور دیگر علوم کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ یہ ادارہ ایک سو سال تک زندہ رہا، اس نے اتنا کام کیا کہ مشرق ومغرب کی لائبریریاں کتابوں سے بھر گئیں۔ اس کے مقابلے میں اس وقت یورپ کا کیا حال تھا؟ اس کا اندازہ مشہور

انگریز مؤرخ فلپ ہٹی کے بیان سے لگ جائے گا۔ ہٹی لکھتا ہے:

"جس وقت ہارون اور مامون یونان وایران کے علوم وفنون کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر عربی میں منتقل کر رہے تھے اور یونانی فلسفہ پر ریسرچ کر رہے تھے اس وقت فرانس کا بادشاہ شارلیمان اور اس کے لارڈز اپنے نام لکھنے کی مشق میں مصروف تھے"---

(The Arabs - page 92)

سپین کی اسلامی حکومت:

عرب کے بعد اسلامی تہذیب کا دوسرا بڑا مرکز اندلس کی اسلامی حکومت تھی۔ ۱۳۱ھ میں جب عرب میں بنوامیہ کا اقتدار ختم ہوا تو ایک نوجوان اموی شہزادہ عبدالرحمٰن جان بچا کر اندلس پہنچا اور وہاں اس نے عیسائی حکمرانوں کو شکست دے کر اموی خاندان کی حکومت قائم کر دی۔ اس خاندان کے ۱۶ بادشاہوں نے ۴۲۲ھ تک حکومت کی۔ مجموعی طور پر مسلمان ۸۰۰ سو برس تک سپین پر حکومت کرتے رہے، انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں سپین کو بڑی ترقی دی۔ بڑے بڑے شہروں کو باغوں، نہروں، فواروں، کشادہ راستوں، پختہ گلیوں اور حسین عمارات سے آراستہ کیا۔ پہاڑی چشموں کا پانی گھروں تک پہنچایا، غرناطہ کے باہر ایک پرشکوہ محل تعمیر کیا، جس کے پائین باغ میں انار، ناشپاتی اور آڑو کے پودے لگائے۔ یہیں عبدالرحمٰن نے کھجور کا وہ پودا لگایا جو اس کے وطن دمشق سے آیا تھا۔ اس پودے کو مخاطب کر کے اس نے بڑے خوب صورت شعر کہے، جنھیں علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ (یہ نظم بال جبریل میں شامل ہے۔ ادارہ)

قرطبہ:

سپین کی اسلامی حکومت کا دارالخلافہ قرطبہ کا شہر تھا۔ بغداد کی طرح یہ بھی عظیم الشان تہذیبی مرکز تھا۔ عبدالرحمٰن نے ۱۷۰ھ میں یہاں ایک عظیم مسجد کی بنیاد ڈالی، جسے بعد کے خلفاء نے مزید وسعت دی اور یہ یورپی مسلمانوں کا روحانی مرکز بن گئی۔ حضرت علامہ نے مسجد قرطبہ پر ایک بڑی پرسوز نظم کہی ہے، جو بانگ درا (بال جبریل (ادارہ) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ قرطبہ بڑا خوب صورت شہر تھا، اموی دور میں اس شہر کی آبادی ۵ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس میں ۳ سو حمام اور ۷۰۰ مساجد تھیں۔ شاہی محل جو عبدالرحمٰن سوم کی ایک بیوی زہرا کی وجہ سے قصر الزہرا کہلاتا تھا، وادیٔ الکبیر کے کنارے تعمیر ہوا تھا، اس میں ۴۰۰ سو کمرے تھے، اس کے لیے سنگ مرمر، مراکش سے اور دیگر سامان آرائش قسطنطنیہ سے آیا تھا، اس پر دس ہزار مزدور بیس سال تک کام کرتے رہے۔ چرم سازی، ریشم بافی، شیشے اور تانبے کی ظروف سازی قرطبہ کی خصوصی صنعتیں تھیں۔ یہاں ایک عظیم الشان یونی ورسٹی

بھی قائم کی گئی، جس میں مقامی طلباء کے علاوہ افریقہ، ایشیا اور یورپ کی مختلف ریاستوں سے طالبانِ علم آتے تھے۔ بڑی بڑی تنخواہوں پر قاہرہ، دمشق اور بغداد سے پروفیسر منگوائے گئے۔ یونی ورسٹی میں ایک عظیم الشان لائبریری بھی تھی جس میں چار لاکھ کتابیں تھیں، ان کی فہرست ۴۴ جلدوں میں مرتب ہوئی۔ پروفیسر فلپ ہٹی (Hitti) لکھتا ہے:

"عبد الرحمٰن سوم کے زمانے میں قرطبہ بہت بڑا شہر بن گیا، اس میں ایک لاکھ تیرہ ہزار گھر، ستر لائبریریاں، میلوں پختہ گلیاں اور ہزاروں مساجد تھیں۔ رات کو شہر میں روشنی ہوتی تھی جب کہ باقی یورپ کا یہ حال تھا کہ پیرس اور لندن جیسے شہروں کی گلیاں کیچڑ سے اٹی رہتی تھیں اور وہاں ۸۰۰ سو سال بعد تک کسی گلی میں کوئی لیمپ نصب نہیں ہوا"---

اسلامی فن تعمیر:

اسلامی ثقافت کی سب سے خوب صورت جھلک مسلمانوں کے فن تعمیر میں نظر آتی ہے۔ اسلامی فن تعمیر کی ابتدا گارے کے ایک چھپر یعنی مسجد نبوی سے ہوئی، لیکن یہی فن بعد میں ترقی کرتے کرتے مسجد قرطبہ، الحمراء اور تاج محل تک جا پہنچا۔ اسلامی فن تعمیر کی نمایاں خصوصیات محراب، گنبد، منار، حوض، وسیع صحن، جالیاں، نظر فریب کتبے اور حسین نقش ونگار ہیں۔ اسی طرح شاہی عمارات کے اجزائے ترکیبی بلند دروازے، برج، اونچی محرابیں، چشمے اور فوارے ہیں۔ مسلمانوں نے ہر قوم سے اچھی چیزیں لے کر انہیں اپنے نظریات کے سانچوں میں ڈھال لیا اور یوں ایک منفرد فن تعمیر ایجاد کیا۔ پوری دنیا میں اسلامی فن تعمیر کے نمونے پھیلے ہوئے ہیں، جن میں مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، جامعہ قیروان، جامعہ دمشق، مسجد قرطبہ، مسجد احمد طولون، جامع ازہر اور ہندوستان میں بے شمار مساجد کے علاوہ تاج محل شامل ہیں۔ یہ تمام عمارات اس قدر دلآویز ہیں کہ سیکڑوں سال گزر جانے کے باوجود آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ دیکھنے والوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔

اسلامی فن خطاطی:

اگرچہ مسلمانوں نے مصوری اور سنگ تراشی میں بھی اپنی جودتِ طبع کے خوب صورت نمونے پیش کیے لیکن جو یکتائی انھیں فن کتابت میں حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے فن میں حاصل نہ ہو سکی۔ مصوری اور سنگ تراشی میں مسلمان اس لیے زیادہ پیش قدمی نہ کر سکے کہ یہ فنون اسلامی تعلیمات سے متصادم تھے، اس کے برخلاف قرآن پڑھنا اور لکھنا چونکہ باعثِ ثواب تھا، اس لیے مسلمانوں نے فنون لطیفہ میں سب سے زیادہ توجہ فن کتابت پر مرکوز کی۔ فن کتابت خالص مسلمانوں کا فن ہے،

اس میں کوئی اور قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مسلمان اس فن کے اس قدر گرویدہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی قرآن لکھ کر ثواب کماتے رہے ہیں۔ ان سلاطین میں سلطان ابراہیم غزنوی (۱۰۵۹ء تا ۱۰۹۹ء)، خاندان غلاماں کا سلطان ناصر الدین اور خاندان مغلیہ کا سلطان عالم گیر اورنگزیب شامل ہیں۔ مسلمانوں میں خطاط ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی پرانی یادگار ایسی نہیں جو آیات واشعار سے آراستہ نہ ہو۔ ان خطاطوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے نئے نئے خط ایجاد کیے اور ایسی ایسی جدتوں سے کام لیا کہ کتابت فنونِ لطیفہ میں شمار ہونے لگی۔

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی حالت:

جس زمانے میں اسلامی تہذیب اپنے پورے عروج پر تھی اور انسانی زندگی کو ادب وثقافت سے مالا مال کر رہی تھی، اس زمانے میں یورپ کی کیا حالت تھی، یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ جہالت اور بربریت میں ڈوبا ہوا تھا، لوگ کچے مکانوں اور جھونپڑوں میں رہتے تھے، پتے کھاتے اور کھالیں پہنتے تھے، ان کی گلیوں میں جا بجا کوڑے کے ڈھیر اور جوہڑ تھے، ہر طرف بے راہ جنگل تھے، جن میں ڈاکوؤں اور آدم خوروں کا بسیرا تھا، تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کا نشان تک نہ تھا۔ یورپ میں کاغذ مسلمانوں کے ہمراہ پہنچا، اس سے پہلے وہاں لکھنے کے لیے پتے، پتھر اور جھلیاں استعمال ہوتی تھیں۔ چوں کہ جھلی (پارچمنٹ) تیار کرنے میں بڑا وقت، محنت اور روپیہ صرف ہوتا تھا، اس لیے جھلی بڑی کامیاب تھی۔ جب کوئی شخص کوئی نئی کتاب لکھنے لگتا تو وہ استعمال شدہ جھلی سے پرانی تحریر دھو کر نئی تحریر لکھ لیتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۷۱۱ء میں مسلمان، یورپ پہنچے تو وہاں کوئی لائبریری موجود نہ تھی۔ قدیم یونانی فلاسفر ارسطو اور افلاطون کی کتابیں ایتھنز اور استنبول کے تہہ خانوں میں صدیوں سے مقفل پڑی تھیں۔ پورے یورپ میں صرف چند کتابیں تھیں اور وہ بھی چند خوش قسمت افراد کے پاس، باقی کہیں کوئی علمی نشان نہیں ملتا تھا۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے امراء کو علم وادب سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ان کا کام عیاشی، بردہ فروشی اور مے نوشی تھا۔ بڑے بڑے شہروں مثلاً لندن، پیرس اور برلن کی سڑکوں پر فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے، رات کو روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا، جو شخص رات کو گھر سے نکلتا تو وہ عموماً کیچڑ میں لت پت ہو جاتا تھا۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک دوم (۱۲۱۲ء تا ۱۲۵۰ء) پر کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرستِ الزامات میں یہ الزام بھی شامل تھا کہ یہ شخص مسلمانوں کی طرح ہر روز غسل کرتا ہے۔ جب سپین میں اسلامی سلطنت کو زوال آیا تو فلپ دوم (۱۵۵۶ء تا ۱۵۹۸ء) نے

تمام حمام اس لیے بند کر دیے کہ ان سے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اس بادشاہ نے اپنے ایک گورنر کو محض اس جرم میں معزول کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی طرح روزانہ ہاتھ پاؤں دھوتا تھا۔ مذہب اور گندگی اس قدر لازم وملزوم تھے کہ جب کنٹر بری کالاٹ پادری باہر نکلتا تو اس کی قبا پر جوئیں قطار در قطار نظر آتی تھیں۔ برٹنڈرسل "نکاح اور اخلاق" کے صفحہ ۴۰۲ پر رقم طراز ہیں:

"عیسائیت نے غسل کی عادت کی اس لیے مذمت کی کہ اس سے جسم میں دل کشی بڑھ جاتی ہے۔ عیسائیت میں میل کچیل کی تعریف کی گئی ہے"---

سینٹ پال کہتے ہیں:

"جسم اور لباس کی صفائی کا مطلب روح کی گندگی ہے، اسی لیے جوؤں کو خدا تعالیٰ کے موتیوں کا نام دیا گیا اور ان سے ڈھکا ہوا ہونا مقدس انسان کا طرۂ امتیاز قرار دیا گیا"---

اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں عیسائیوں کی تہذیبی حالت کیا ہوگی اور ان کے مقدس اور معزز لوگ کس طرح کی زندگی گزارتے ہوں گے۔

قرونِ وسطیٰ میں یورپ تہذیب کے کس درجہ پر تھا، اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۰۳۰ء کے قحط میں لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت برسرِ عام فروخت ہوتا تھا۔ فرانس کے ایک دریا ساؤن کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ہی دکانیں تھیں۔ اس دور میں جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے، جو مسافروں کو لوٹتے اور ذبح کرنے کے لیے انھیں پکڑ لاتے تھے۔ یورپ کی یہ حالت کئی صدیوں تک رہی۔

مغرب پر اسلامی تہذیب کے اثرات:

اس بات کو اب اہل یورپ بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ یورپ میں احیائے علوم کی تحریک اسلامی اثرات کے نتیجے میں شروع ہوئی۔ سب سے پہلے تو صلیبی جنگوں نے عیسائیوں کو اس بات کا موقع فراہم کیا کہ وہ اسلامی تہذیب کا قریب سے مطالعہ کریں۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان صلیبی محاربین کی وساطت سے اسلامی تہذیب یورپ پہنچی اور عیسائیوں نے بڑے فخر سے اسے اپنا لیا۔ اس دور میں معزز عیسائی خواتین مسلمان خواتین کے تتبع میں پردہ کرتی تھیں اور ان کی گھریلو معاشرت اسلامی معاشرت سے متاثر تھی۔ پھر جب اسلامی یونی ورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہو کر عیسائی نوجوان اپنے اپنے ملک میں واپس پہنچے تو انھوں نے وہاں علوم وفنون کی اشاعت شروع کر دی۔ نتیجۃً یورپ میں احیائے علوم کی تحریک پیدا ہوئی، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے یورپی اقوام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

اس طرح ہم بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ یورپ کی موجودہ ترقی اسلامی تہذیب کی مرہون منت ہے۔ ''تشکیل انسانیت'' میں رابٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

''عربوں کے نفیس سوتی، اونی اور ریشمی لباس نے یورپ کی نیم برہنہ آبادی کو عمدہ لباس کا شوقین بنا دیا تھا اور اس قسم کے مناظر اکثر دیکھنے میں آتے تھے کہ ایک پادری اتوار کے روز گرجا میں خطبہ دے رہا ہے اور اس کی عبا پر قرآنی آیات کڑھی ہوئی ہیں۔ عورتیں بھی عربی لباس فخر سے پہنتی تھیں، جو قرطبہ، اشبیلیہ اور سسلی میں تیار ہوتا تھا۔ صرف اشبیلیہ میں سولہ ہزار کرگھے تھے اور قرطبہ میں ریشم بانوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ ان کی تیار کردہ عباؤں اور قباؤں پر قرآنی آیات کڑھی ہوتی تھیں، جنھیں عیسائی بادشاہ اور پادری فخر سے پہنتے تھے''---

سسلی کے نارمن حکمران راجر دوم (۱۱۰۵ء تا ۱۱۵۵ء) کا لباس اسلامی تھا اور اس پر عربی آیات لکھی ہوئی تھیں، اس کے حرم میں مسلم سلاطین کی طرح کئی بیویاں اور لونڈیاں تھیں۔ اندلس کا مشہور جغرافیہ دان ابن جبیر ۱۱۸۴ء میں سسلی پہنچا، وہ وہاں کے بادشاہ ولیم دوم کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس کے تمام خدام، خواجہ سرا اور دربان سب مسلمان ہیں اور اس کا سرکاری نشان ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَقَّ حَمْدِهٖ'' ہے۔ آرنلڈ "Leagacy of Islam" میں لکھتا ہے کہ برٹش میوزیم میں نویں صدی عیسوی کی ایک صلیب رکھی ہوئی ہے، جس میں خط کوفی میں ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم'' لکھا ہوا ہے۔ تمدن عرب میں موسیو لیبان رقم طراز ہیں:

''میلان اٹلی کے ایک کلیسا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر کے گرد عربی حروف کا ایک ہالہ بنا ہوا ہے اور سینٹ پطرس کے لباس پر بھی عربی تحریر ہے''---

مغربی زبانوں پر عربی اثرات:

جس طرح اسلامی تہذیب مغرب کو قرونِ مظلمہ سے نکال کر علمی روشنی کے دور میں لے آئی، اسی طرح عربی زبان نے بھی یورپی زبانوں کو مالا مال کیا۔ انگریزی کے سیکڑوں الفاظ عربی سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً:

عربی	انگریزی	اردو
جبل الطارق	جبرالٹر	جبرالٹر
ارض	ارتھ	زمین
انزال الانف	انفلوانزا	ناک بہنا

کفن	کافن	کفن
شاق	شاک	صدمہ
جمل	کیمل	اونٹ
قطن	کاٹن	روئی

اسی طرح جزیرہ مالٹا کی زبان نے بے شمار عربی الفاظ کو اپنے اندر جوں کا توں سمولیا۔ مسلمان مالٹا میں ۸۷۰ء میں پہنچے تھے اور دوسو برس تک وہاں رہے۔ مالٹی زبان میں آج بھی عربی کے سیکڑوں الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً خبز (روٹی)، ماء (پانی)، زیت (تیل) اور طفل (بچہ)

ہالینڈ کے ایک فاضل موسیو ڈوزی ۱۸۸۳ء نے ان پرتگالی اور ہسپانوی الفاظ کی ایک لغات تیار کی ہے جو عربی سے ماخوذ ہیں۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں عربی کے لاتعداد الفاظ شامل ہیں۔ اطالوی علم جہازرانی کی اکثر اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں۔

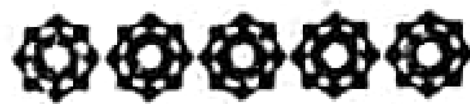
مغربی ادب پر اسلامی اثرات:

جس طرح اسلامی تہذیب اس زمانے کی غالب تہذیب تھی، اس طرح اسلامی ادب بھی اپنے زمانے کا حکمران ادب تھا۔ اسلامی ادب نے مغربی ادب پر دیرپا اثرات چھوڑے۔ متعدد عربی کتب یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوئیں اور متعدد مغربی شعراء نے مسلمان شعراء کے تتبع میں نظمیں کہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں جرمنی، فرانس، ہالینڈ اور برطانیہ سے سیکڑوں عربی کتابیں شائع ہوئیں اور اب شاید ہی کوئی ایسی قابل ذکر عربی کتاب باقی ہو جو یورپ میں شائع نہ ہو چکی ہو۔

الف لیلیٰ عربی کی مشہور کتاب ہے، جس کا پہلا ترجمہ ایک فرانسیسی سیاح گالینڈ نے ۱۷۱۵ء میں بارہ جلدوں میں شائع کیا۔ ۱۸۲۳ء میں فانِ ہمیر نے اسے جرمنی میں منتقل کیا اور تین سال بعد لیمب نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ لیمب کے بعد لین نے ۱۸۴۱ء میں اس کا نیا ترجمہ شائع کیا۔ سر رچرڈ برٹن کا ترجمہ ۱۸۸۶ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۹۷ء میں ایک جرمن ترجمہ چوبیس جلدوں میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا ترجمہ ہسپانوی، اطالوی، پوش، ڈینش اور روسی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ یورپ میں ان کتابوں اوران کے تراجم کا اثر یہ ہوا کہ اس دور کا ادب، عربی سانچے میں ڈھل گیا۔ چاسر کی ''سکوئیرس ٹیل'' دراصل الف لیلیٰ کی ایک کہانی ہے، اسی طرح ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی (Devine Comedy) واقعۂ معراج کا چربہ ہے۔ تیرہویں صدی ہجری میں ایک فرانسیسی ادیب نے ایک ناول لکھا، جس میں عربی رنگ کی مجلسیں نظر آتی ہیں اور ہیرو کا نام قاسم ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں ایک ہسپانوی شاعر نے ''یوسف زلیخا'' کا قصہ منظوم کیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی تصنیف

''ہماری عظیم تہذیب'' میں لکھتے ہیں:

''قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں عربی ادب کا نفوذ ایک نعمت غیر مترقبہ تھا، لاطینی کا مفلس، بے جان اور بے کار ادب، لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں نہ لذت تھی، نہ صداقت اور نہ گہرائی، دوسری طرف عربی ادب میں بلا کی توانائی، زندگی اور عظمت تھی، جسے نظر انداز کرنا یورپ کے لیے آسان نہ تھا۔ یورپ کا یہی وہ رجحان تھا، جسے دیکھ کر وکٹر ہیوگو نے کہا تھا کہ ''پہلے تمام دنیا یونانی تھی اور اب عربی ہے''---



[اس قدر تابناک تہذیب وتمدن کی حامل امت مسلمہ اپنی کاہلی، غفلت اور بے عملی سے زوال آشنا ہوگئی، جب کہ غیروں نے مسلمانوں کی علمی تحقیقات سے استفادہ کر کے ترقی کی منازل طے کرلیں۔ امت مسلمہ کے اسی علمی سرمایہ کو یورپی لائبریریوں میں دیکھ کر علامہ اقبال نے کہا تھا:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

[بانگ درا، خطاب بہ نوجوانانِ اسلام، صفحہ ۲۰۷]

سینہ بہ سینہ کرتی ہے صدیوں کا وہ سفر
چلتی ہے جو خبر کسی اخبار کے بغیر

حالاتِ حاضرہ

اخبارات کے اداریوں اور مضامین پر مشتمل بلاتبصرہ

انتخاب وترتیب: محمد اصغر مجددی
بیورو چیف ماہنامہ نور الحبیب

مقدس خواب

عاشق رسول عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید کے استاذ کا مقدس خواب، کالم نویس عرفان صدیقی کے قلم سے:
اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس کا تابوت کس ہوائی اڈے پر اترا؟ اس کی میت کو کس نے کندھا دیا؟ اس کی قبر کہاں کھدی؟ اس کی نماز جنازہ کہاں پڑھی گئی؟ اس میں کتنے لوگ شریک ہوئے؟ اس کی تجہیز و تکفین میں کن عالی مرتبت ہستیوں نے شرکت کی؟ یہ سب کچھ ہم دنیاداروں کے لیے ہے، وہ جو پیچھے رہ گئے، وہ جنھیں دل بہلاوؤں کی حاجت رہتی ہے۔ عامر تو نورانی پروں والے فرشتوں کے جلو میں ہفت افلاک سے بہت آگے نکل گیا، اسے ان باتوں سے کیا غرض؟

عامر شہید کے نیک دل اور پاک باز استاذ کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور وہ تھم تھم کر رک رک کر پروفیسر نذیر چیمہ کو اپنا خواب سنا رہے تھے کہ میں نے خواب میں ایک بڑا ہی مقدس اور پاکیزہ اجتماع دیکھا، ہر سو نور کے فوارے پھوٹ رہے تھے، پتہ چلا کہ صحابہ کرام تشریف فرما ہیں، کسی نے کہا کہ حضور ﷺ بھی

قریب ہی ہیں، لیکن آپ ﷺ کا رخ انور دکھائی نہیں دے رہا تھا، پھر حضور کی مشک بو آواز سنائی دی، 'عامر آرہا ہے'۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کھڑے ہوگئے اور ایک خاص سمت میں دیکھنے لگے۔ پھر رحمت دو عالم ﷺ نے بلند آواز میں پکارا، 'حسن حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دیکھو کون آیا ہے؟ میں اسے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، اس کا خیال رکھنا'۔ [روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۴ رمئی ۲۰۰۶ء]

عامر شہید کی نماز جنازہ اور تدفین میں حکومتی رکاوٹیں

جرمنی میں پولیس کی حراست میں شہید ہونے والے عاشق رسول پاکستانی نوجوان عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید کو گزشتہ روز وزیر آباد کے قریب آبائی گاؤں ساروکی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ میں محتاط اندازے کے مطابق دو لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی، جب کہ نماز جنازہ کے بعد بھی ہزاروں لوگ پہنچے اور انھوں نے شہید کی تربت پر فاتحہ خوانی کی۔ شہید کا جسد خاکی لحد میں اترا تو فضا نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے گونج اٹھی، لوگ فرطِ عقیدت سے شہید کے والد کو چومتے رہے۔

جرمنی میں عامر عبدالرحمٰن کی پولیس کی زیر حراست شہادت اس امر کا ثبوت ہے کہ انسانی حقوق کے علم بردار یورپ میں بھی پولیس کا انداز تفتیش سراسر غیر انسانی اور ظالمانہ ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق عامر چیمہ پر دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی مریض تسلیم کر لے تاکہ دنیا کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حرمت و ناموس کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک ذہنی مریض کا نجی فعل ہے لیکن عامر چیمہ نے پولیس کا دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اطلاعات بھی منظر عام پر آچکی ہیں کہ عامر چیمہ چاقو لے کر جرمن اخبار ایکسل سپرنگر کے ایڈیٹر پر حملہ کرنے نہیں گیا بلکہ اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ آئندہ ایسے توہین آمیز خاکے شائع کرنے سے باز رہے مگر اس کے احتجاج کو قاتلانہ حملے کا رنگ دے کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

دورانِ تفتیش جب ایک جرمن پولیس اہل کار نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں گستاخانہ اندازِ گفتگو اختیار کیا تو اخباری رپورٹروں کے مطابق عامر چیمہ شہید نے اس کے منہ پر تھوک دیا، جس سے مشتعل ہو کر جرمن اہل کاروں نے شہید کو حیوانی انداز میں تشدد کا نشانہ بنا کر بے ہوش کر دیا اور جسم کے نازک حصے پر چوٹ لگنے سے اس کی سانسیں اکھڑ گئیں۔

عامر چیمہ شہید کے ساتھ ہٹلر کی اولاد نے تو جو سلوک کیا سو کیا، وہ اپنی جگہ افسوس ناک اور صرف جرمنی ہی نہیں، پورے یورپ کے منہ پر کلنک کا ٹیکہ ہے مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ حکومت پاکستان نے بھی اس ضمن میں اپنی آئینی، قانونی، مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ادا کرنے سے گریز کیا ہے۔ عامر شہید کی گرفتاری کے بعد حکومت پاکستان اور جرمنی میں پاکستانی سفارت خانے نے یہ زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ وہ اپنے ایک شہری کی گرفتاری کی وجوہات معلوم کرنے کے علاوہ ایک قیدی کے طور پر اس کے حقوق کے تحفظ کا اہتمام کرتی۔ میت کی آمد پر والدین اور دیگر لواحقین کا یہ قانونی اور شرعی حق تھا کہ وہ اپنی مرضی سے

تدفین کرتے مگر حکومت پاکستان نے معلوم نہیں کسے خوش کرنے کے لیے میت کو اپنی تحویل میں لے کر ساروکی میں تدفین کا فیصلہ کیا، حالاں کہ جب شہید کے ورثاء راول پنڈی میں نماز جنازہ اور تدفین کا فیصلہ کر چکے تھے تو انھیں روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

عامر چیمہ تو غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے خدا کے حضور پیش ہو گیا ہے لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت نے اس موقع پر ناقابل فہم انداز کار سے عوام کے دل چھلنی کر دیے ہیں۔ ایک طرف میت کی وزیر اعلیٰ کے ہیلی کاپٹر میں روانگی اور کور کمانڈر گوجرانوالہ سمیت اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کی طرف سے وصولی اور دوسری طرف لاہور ائر پورٹ پر میت سے عوام کو دور رکھنے، پنڈی میں نماز جنازہ سے انکار اور ساروکی میں قبل از وقت نماز جنازہ اور نماز جنازہ میں کسی بڑی سرکاری شخصیت کی عدم شرکت:

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؟

عامر شہید کے جنازے میں دو لاکھ سے زائد افراد نے شریک ہو کر پوری پاکستانی قوم اور امہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا، لیکن صرف پاکستان ہی نہیں دیگر مسلم ممالک کے مقتدر طبقے نے پرزور احتجاج نہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ امریکہ اور یورپ کے دست نگر ہیں اور انھیں اپنے ملک کے عوام کے جذبات و احساسات اور عقائد و نظریات سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اس طرح نہ تو عامر چیمہ اور اس کے جرأت مندانہ کردار کو امہ کے ذہنوں سے محو کیا جا سکتا ہے اور نہ عوام کے جذبات و احساسات کو سرد کرنے میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ [اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۵ر مئی ۲۰۰۶ء]

عالم اسلام کے خلاف سازش، قبلہ رخ کی تبدیلی

گزشتہ صدی کے وسط میں اہل مغرب نے مسلم امہ کے خلاف گھناؤنی سازشوں کا آغاز کیا تھا، ان میں ایک سازش مسلمانوں کے قبلہ کا رخ بدلنے کی تھی، جواب اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ مسلم امہ کو یا تو اس کا سرے سے علم نہیں یا وہ خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم سب کو علم ہے کہ قبلہ رو ہوئے بغیر نماز ادا نہیں کی جا سکتی، چناں چہ مسلمانوں کی نماز کو بے اثر کرنے کے لیے امریکا کے بعد اب برطانیا میں بھی اکثر جگہ قبلہ کا رخ شمال کی جانب کر دیا گیا ہے۔ جب کوئی اس کی وجہ دریافت کرتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ چوں کہ ہوائی جہاز سے قبلہ کا نزدیکی فاصلہ شمال ہی بنتا ہے، اس لیے قبلہ رخ شمال کی جانب ہی درست ہے۔ حیرت اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آئی ایس این اے یعنی اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ اور آئی سی این اے یعنی اسلامک کمیونٹی آف نارتھ امریکہ نے بھی اس دلیل کو قبول کرتے ہوئے نئے قبلہ رخ پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ حالاں کہ چند سال پہلے تک قبلہ کا رخ ہر شہر کے مطابق جنوب مشرق کی جانب ہوا کرتا تھا، مگر اب ایسا نہیں اور قبلہ کا رخ شمال کی جانب والی دلیل کو تسلیم کر لیا گیا

ہے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ کسی غیر ملکی فرم نے ایک فرضی قبلہ نما بھی بنالیا ہے، جو شمال والی اسی غلط سمت کا تعین کرتا ہے۔

[روزنامہ جنگ لاہور، ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء]

افغانستان اور عراق میں امریکا کے خلاف جاری مزاحمت میں تیزی

مشرقی افغانستان میں طالبان کے مختلف حملوں میں ۱۲ امریکی فوجیوں سمیت ۱۶ افراد ہلاک ہوگئے ہیں۔ طالبان کے ترجمان کے مطابق صوبہ کنڑ میں خودکار ہتھیاروں سے کیے گئے حملے کے نتیجے میں آٹھ امریکی فوجی مارے گئے جب کہ صوبہ ننگرہار میں طالبان کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگ پھٹنے سے چار امریکی فوجی ہلاک ہوگئے۔ اس کے علاوہ دیگر کارروائیوں میں چار افغان فوجی بھی مارے گئے۔

گرمیوں کے آغاز کے ساتھ ہی افغانستان میں طالبان کی کارروائیاں زور پکڑتی جارہی ہیں۔ ان تازہ کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ افغانستان میں بھی عراق طرز کی لڑائی کا سلسلہ شروع ہونے جارہا ہے، اتحادی افواج کا عراق کے ساتھ ساتھ اب افغانستان میں بھی جانی اور مالی نقصان بڑھتا جارہا ہے۔ عراق میں ہونے والی تازہ کارروائیوں میں بھی دو امریکیوں سمیت ۲۶ افراد ہلاک ہوگئے ہیں۔ عراق اور افغانستان میں جاری تحریک مزاحمت میں روز بروز شدت آتی جارہی ہے، مگر امریکا حالات سے سبق سیکھنے اور سابقہ غلطیوں سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے ابھی تک جارحیت پر آمادہ دکھائی دیتا ہے۔

افغانستان اور عراق کے بعد امریکا اپنا اگلا ہدف ایران کو بنانا چاہتا ہے اور اس حوالے سے ایران کے ایٹمی پروگرام کا بہانہ بنا کر اس پر جنگ مسلط کرنے کے منصوبے بنارہا ہے۔ امریکی عوام اور دانش ور طبقہ افغانستان اور عراق جنگ پر امریکی انتظامیہ سے پہلے ہی نالاں ہے، اگر امریکا نے ایران پر جارحیت کا ارتکاب کیا تو یہ غلطی شاید اسے لے ڈوبے اور وہ بیرونی حملوں کے ساتھ ساتھ اندرونی طور پر عوامی دباؤ کا کسی طور پر متحمل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکا دنیا کو آگ کی بھٹی میں تبدیل کرنے کے بجائے امن وسکون کا گہوارہ بنانے میں اپنا کردار ادا کرے اور ایران پر جارحیت کا ارادہ ترک کرنے کے ساتھ ساتھ افغانستان اور عراق سے اپنی فوجیں جلد از جلد واپس بلائے۔

[اداریہ روزنامہ اسلام، لاہور، ۶ مئی ۲۰۰۶ء]

بھارت کے ناپاک جنگی عزائم

پاکستانی سرحد کے نزدیک جالندھر میں سانگھا شکتی کے مقام پر بھارتی فوج کی جنگی مشقیں شروع ہوگئی ہیں۔ یہ حیران کن ہے کہ پاکستان بھارت کی دوستی میں بھارت کے آگے بچھتا چلا جارہا ہے مگر دوسری جانب بھارت کے معاندانہ جنگی عزائم میں ذرہ بھر کمی نہیں آرہی اور بھارت ایک کے بعد دوسرا ایسا قدم اٹھارہا ہے، جس سے پاکستان کی سلامتی اور حمیت پر حرف آتا ہے۔ ان جنگی مشقوں سے پاکستانی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ پاکستان واحد اسلامی ایٹمی طاقت ہے، جس کی فوج دنیا کی کسی بھی فوج کا

مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۰۰۲ء میں بھی بھارت اپنی فوج سرحد کے ساتھ لگانے کے باوجود حملے کی جرأت نہیں کر سکا۔ پاکستانی قوم اپنی سرحد کے چپہ چپہ کا تحفظ کرنے کے لیے خون کا آخری قطرہ بہانے کے لیے تیار ہے اور اس بات کا بھارت کے حکمرانوں کو بھی بخوبی علم ہے۔ اگر اسے یہ غلط فہمی ہے کہ نام نہاد دوستی بس سروس یا چند بھارتی ثقافتی ٹٹوؤں کے پاکستان آنے سے وہ پاکستانی عوام کو رام کر چکا ہے تو یہ ان کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ پاکستانی عوام اگر بھارتی فلمیں دیکھتے ہیں تو وہ وقت گزاری کا بہانہ تو ہو سکتا ہے مگر دوستی کا بہانہ نہیں۔ بھارت کبھی پاکستان کا دوست نہیں رہا اور نہ بنے گا، اس لیے ہمیں اپنے گھوڑے تیار رکھنے چاہئیں۔ [اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۵/مئی ۲۰۰۶ء]

بھارتی حکومت کا مسلم دشمن رویہ

بھارتی ریاست گجرات کے شہر بروڈہ میں پولیس اور مقامی مسلمانوں کے درمیان جھڑپ میں چار مسلمان شہید اور بیسیوں افراد زخمی ہو گئے، اس کے بعد پورے علاقہ میں کشیدگی پھیل گئی اور کئی مقامات سے پتھراؤ کی اطلاعات بھی ملی ہیں۔ فرقہ ورانہ کشیدگی کے پیش نظر علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا ہے۔

بھارتی حکومت پورے بھارت میں مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے منظم انداز میں مہم چلا رہی ہے، مقبوضہ کشمیر میں روزانہ دس پندرہ مسلمان نوجوانوں کو شہید کر دیا جاتا ہے اور بھارت کے دیگر حصوں میں بھی جہاں موقع ملتا ہے مسلمانوں کے خلاف یک طرفہ کارروائی کر دی جاتی ہے۔ گجرات، مسلمان دشمن ہندوؤں کا گڑھ ہے، جہاں پہلے بھی کئی دفعہ مسلمانوں کے خلاف پولیس اور حکمران جماعت نے فسادات کرائے ہیں، جن میں ہزاروں مسلمانوں کو شہید کر کے ان کی املاک کو نذر آتش کر دیا گیا اور سیکڑوں مسلمانوں کو بھی زندہ جلا دیا گیا۔ بھارت سے آنے والے، ناچنے گانے والے مسلمان، پاکستان آ کر بھارت میں جس سیکولرازم کے گیت گاتے ہیں اور پاکستان کی سرحدیں مٹانے کی بات کرتے ہیں، مقبوضہ کشمیر اور گجرات میں مسلمانوں پر ہونے والے اس وحشیانہ تشدد اور خون ریزی کا تذکرہ نہیں کرتے اور نہ ہی پاکستان میں ان کے میزبان اور ان کی چاپلوسی کرنے والے ان سے اس سلسلہ میں کوئی سوال کرتے ہیں۔

بھارت، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امریکا اور اسرائیل کے عالمی اتحاد کا تیسرا رکن ہے اور بھارتی حکمران مسلمانوں کو مٹانے کی ہر کوشش میں شریک ہیں۔ پاکستان کی حکومت کو بھارتی مسلمانوں کے خلاف ہونے والی ان پرتشدد کارروائیوں پر شدید احتجاج کرنا چاہیے اور پاکستان کے خلاف جو بھارتی شہری بکواس کرتے ہیں ان کی خرافات کا پاکستانی شہریوں کو بڑی سختی سے جواب دینا چاہیے۔

[اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۵/مئی ۲۰۰۶ء]

امریکہ کا بے ہودہ الزام اور ہماری قومی ذمہ داری

امریکہ نے ایک بار پھر کہا ہے کہ پاکستان دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کافی اقدامات

نہیں کر رہا۔ پاک فوج کے ترجمان نے دہشت گردی کی روک تھام کے لیے پاکستان کے اقدامات کو ناکافی قرار دینے کے امریکی بیان کو بے ہودہ قرار دیا ہے، جب کہ وزیر داخلہ آفتاب احمد خان شیر پاؤ نے کہا ہے کہ اگر امریکہ کے پاس اسامہ بن لادن کی موجودگی کی کوئی اطلاع ہوتی تو وہ پاکستان سے شیئر کرتا۔

پاک فوج کے ترجمان نے اس بیان کو بے ہودہ قرار دیا ہے مگر یہی کافی نہیں، صدر بش کے دورے کے بعد امریکی حکام اور ذرائع ابلاغ کے پاکستان مخالف پروپیگنڈے میں تیزی آ گئی ہے اور امریکہ و بھارت کے بیانات میں گہری مماثلت نظر آتی ہے۔ یہ دشمن کو برا نام دے کر قتل کرنے کی پالیسی کا حصہ ہے، جس کا ادراک ہمارے حکمرانوں کو سنجیدگی سے کرنا چاہیے۔ یہ ایران کے خلاف تعاون حاصل کرنے اور ایٹمی سائنس دان عبدالقدیر خان تک رسائی کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دباؤ کا حربہ بھی ہو سکتا ہے، مگر اب وقت آ گیا ہے کہ حکومت نہ صرف امریکہ سے کھل کر بات کرے بلکہ امریکہ اور بھارت کے حوالے سے اپنی چار پانچ سالہ پالیسی پر نظر ثانی کرے۔ آخر بھارت کے حوصلے اس قدر کیوں بڑھ گئے ہیں کہ من موہن سنگھ دورۂ پاکستان کے لیے بھی شرائط عائد کرے؟ حالاں کہ وہ افغانستان کے راستے پاکستان میں گڑبڑ کرا رہا ہے اور امریکہ کو اچانک پاکستان کے اقدامات ناکافی نظر کیوں آنے لگے ہیں؟ اس گرینڈ پلان کو ناکام بنانے کے لیے حکومت پاکستان ایک طرف تو نام نہاد جنگ سے قطع تعلق کر کے اپنے اندرونی حالات درست کرنے اور اپنے دفاع و سلامتی کے تقاضوں کو پورا کرنے پر توجہ دے، دوسرے کسی بھی ناخوش گوار صورت حال سے نمٹنے کی تیاری کرے۔ امریکہ ماضی کی طرح ایک بار پھر طوطا چشمی کی پالیسی پر گام زن ہے اور پاکستان سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس طرح کی الزام تراشی کر رہا ہے تاکہ دنیا کو بتا سکے کہ پاکستان کے عدم تعاون کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹا ہے۔ یہ پاکستان کے لیے لحۂ فکریہ بھی ہے اور نعمت غیر مترقبہ بھی کہ بے وفا دوست خود ہی ہماری جان چھوڑنے پر آمادہ ہے۔ بشرطیکہ ہم خود بھی اس کی خوشامد اور خوش نودی سے منہ موڑ کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بصیرت اور حب الوطنی کی تدبیر کر سکیں، یہ جنرل پرویز مشرف کا امتحان ہے۔ [اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۸؍ مئی ۲۰۰۶ء]

ناجائز اثاثے اور سرمایہ

سوئٹزر لینڈ کی وزیر خارجہ مشعل انکالے نے کہا ہے کہ سوئس حکومت بیرونی ممالک کی مشکوک رقوم کا تحفظ نہیں کرتی، حکومت پاکستان نے جن کیسز اور اکاؤنٹس کے بارے میں سوئس حکومت سے رابطہ کیا تھا، انھیں منجمد کر دیا گیا ہے۔ سوئس وزیر خارجہ نے پاکستانی وزیر خارجہ کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں یہ انکشاف بھی کیا کہ بعض پاکستانیوں کی سوئس بنکوں میں بھاری رقوم جمع ہیں، سوئس حکومت یہ رقوم ہتھیانا نہیں چاہتی بلکہ اس سلسلہ میں حکومت پاکستان کے ساتھ بات چیت جاری ہے اور ان معاملات کو مل کر طے کیا جائے گا۔

سوئٹزر لینڈ کے بنک گزشتہ ایک صدی سے دنیا بھر میں بدعنوان حکمرانوں، رشوت خور سیاست دانوں،

بیوروکریٹس، سمگلروں اور دیگر ناجائز کام کرنے والوں کے لیے محفوظ ترین خزانہ کا کردار ادا کرتے رہے ہیں، ان بنکوں میں دنیا بھر کے غریب، مفلوک الحال، پسے ہوئے عوام کی محنت مشقت کا سرمایہ ظالم طبقات کے سرکردہ افراد نے جمع کر رکھا ہے، جن میں سے ہزاروں افراد مر گئے اور اربوں ڈالر، ہر سال سوئس حکومت اپنے قبضہ میں کر لیتی ہے، اسی طرح پاکستان کے سیکڑوں سابق حکمرانوں، سیاست دانوں، بیوروکریٹس، تاجروں، صنعت کاروں، سمگلرز اور دیگر ناجائز فروشوں نے بھی اربوں ڈالر سوئس بنکوں میں جمع کرا رکھے ہیں۔ سوئس حکومت کو چاہیے کہ ان تمام اکاؤنٹس ہولڈرز کے جمع کردہ سرمایہ کے بارے میں متعلقہ ممالک سے انکوائری کرائیں، اگر یہ رقم کسی طور پر بھی ناجائز اور غیر قانونی ذرائع سے حاصل کی گئی ہے تو یہ متعلقہ ملک کی حکومت کو واپس کر دی جائے تا کہ جن غریب عوام سے یہ روپیہ لوٹا گیا ہے، انھیں واپس مل سکے۔ سوئس وزیر خارجہ مشعل انکالمے نے یہ بھی بتایا ہے کہ حکومت پاکستان اور ایف آئی اے کے محکمہ نے جن اکاؤنٹس اور کیسز کے بارے میں معلومات دی ہیں، ان اکاؤنٹس کو منجمد کر گیا ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے مگر ان اکاؤنٹس کے بارے میں عدالتی کارروائی کو زیادہ طول نہ دیا جائے اور جلد فیصلہ کرنے کا عمل اختیار کیا جائے تو بہتر ہو گا۔

حکومت پاکستان کو چاہیے کہ سوئٹزرلینڈ میں پاکستانی سفارت خانہ کو ہدایت جاری کرے کہ ایسے مشکوک پاکستانیوں کے اکاؤنٹس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا کام بھی کرتے رہنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں زیادہ ذمہ داری امریکہ پر عائد ہوتی ہے۔ امریکہ دنیا کی رضا کار تنظیموں اور فلاحی کام کرنے والوں کے اکاؤنٹ تو منجمد کر رہا ہے مگر امریکہ اور اس کے حواریوں کے بنکوں میں پاکستان اور دنیا بھر کے بدعنوان سمگلروں، سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کا نہ صرف سرمایہ جمع ہے بلکہ اس سرمائے کی بنیاد پر انھیں ویزے اور مستقل شہریت کے پرمٹ بھی دے رہا ہے۔ امریکہ کو اپنی یہ دوہری پالیسی ترک کرنے کے لیے حکومتی سطح پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ [اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۸؍ مئی ۲۰۰۶ء]

سانحہ نشتر پارک --- اہم شواہد؟

وزیر اعظم شوکت عزیز نے کہا ہے کہ سانحہ نشتر پارک کے متعلق اہم شواہد مل گئے ہیں، ان سے ملزموں تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

اس سانحے کے مجرموں کے بارے میں اگر اہم شواہد مل گئے ہیں تو فوری طور پر ملزموں کی نشان دہی کی جائے اور انھیں سزائیں دی جائیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے عوام میں نشانِ عبرت بن جائیں۔ سانحہ نشتر پارک میں اس خوف ناک قتل عام کا نشانہ بننے والی سنی تحریک کے رہنماؤں کا بیان ہے کہ اس سانحہ کے محرکات کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چل سکا اور اس حوالے سے عوام میں مایوسی پائی جاتی ہے۔ وزیر اعظم کے اس بیان سے امید کی ایک کرن روشن ہوئی ہے کہ حکومت اس معاملہ کی طرف توجہ دے رہی ہے۔ اس سے سنی تحریک کے رہنماؤں اور عوام کو بھی آگاہ کیا جائے تا کہ اضطراب ختم ہو۔ ایسے سانحات کو غیر ملکی ایجنٹوں کے نام سے

منسوب کر کے فائل بند کر دیا جاتا ہے، جو کہ انتہائی افسوس ناک رویہ ہے۔ پاکستان میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ بیسیوں خفیہ ایجنسیاں بھی کام کرتی ہیں، جن کا بنیادی فریضہ ہی یہ ہے کہ وہ معاشرے میں جرائم پیشہ اور تخریب کاری کرنے والے عناصر کے بارے میں معلومات اکٹھی کریں اور حادثات کے رونما ہونے سے قبل ایسے عناصر اور گروہوں کے بارے میں ذمہ دار حکام کو معلومات فراہم کریں تا کہ ایسے سانحات کو بروقت روکا جا سکے۔ سانحہ نشتر پارک کے جو شواہد بھی ملے ہیں، قانون نافذ کرنے والے اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ ان کی بنیاد پر اصل ملزموں کا پتہ لگائیں اور انھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ زبانی جمع خرچ سے عوام کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ [اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، یکم مئی ۲۰۰۶ء]

تجھے نماز کی فرصت نہیں!

قومی اسمبلی کی قواعد و ضوابط کی کمیٹی نے قوانین میں ترمیم کرتے ہوئے قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کی منظوری دی ہے۔ کمیٹی نے دورانِ اجلاس نماز کے وقفوں کو ختم کرنے کے لیے اور ایوان میں زیرو آور شروع کرنے کی بھی منظوری دی ہے۔ یہ نہایت افسوس ناک ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی اسلامی جمہوری مملکت کی پارلیمنٹ میں وقفہ نماز ختم کرنے کی تجویز دی گئی ہے، حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب مسلمانوں پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے، جس میں کسی بھی قسم کی کوتاہی پر سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں سات سو سے زائد مرتبہ نماز کا ذکر ہے، جب کہ احادیث میں بھی نماز کی اہمیت اور مسجد میں اجتماع کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ ایسے میں حکومت کا پارلیمنٹ، جسے اسلام میں شوریٰ کا درجہ حاصل ہے، سے وقفہ نماز ختم کرنا نہایت قابل مذمت ہے اور اس تجویز کو فوری طور پر واپس لینا چاہیے، بلکہ آئندہ بھی اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اس قسم کی غیر اسلامی اور غیر شرعی تجاویز پر عمل درآمد نہ کیا جائے، کیوں کہ شاعر مشرق علامہ اقبال اور قائد اعظم نے ایک علیحدہ مملکت کا خواب اس لیے دیکھا تھا کہ اس خطے میں بسنے والے کروڑوں مسلمان اسلامی شعائر کی پابندی کر سکیں۔ پارلیمنٹ نے ویسے بھی سارا سال کون سا تیر مار لیا ہے جو نماز کا وقفہ ختم کرنے سے حل ہو جائے گا۔

نماز اسلام کا بنیادی اور لازمی رکن ہے، اس وقفہ کو ختم کرنے والوں کو خدا کا خوف کرنا چاہیے، کیوں کہ یوم حساب کو ہر نیکی اور گناہ کا حساب لیا جانا ہے، اس لیے آئندہ ایسے کسی بھی فعل سے باز رہنا چاہیے اور اس قسم کی ہر تجویز کو یکسر مسترد کر دیا جانا چاہیے۔ [اداریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۱ مئی ۲۰۰۶ء]

